کلمۃ الحدیث

حافظ زبیر علی زئی

صحیح حدیث حجت ہے، چاہے خبرِ واحد ہو یا متواتر

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اُس نے اللہ کی اطاعت کی۔ (النسآء:۸۰)

اس آیتِ کریمہ و دیگر آیات سے رسولِ کریم ﷺ کی اطاعت کا فرض ہونا ثابت ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوگ قُبا (مدینے) میں فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا: رسول اللہ ﷺ پر آج کی رات قرآن نازل ہوا ہے اور کعبہ کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم آ گیا ہے۔ پس سارے نمازی جو شام کی طرف رُخ کئے نماز پڑھ رہے تھے، نماز ہی میں کعبہ کی طرف مڑ گئے۔

(موطأ امام مالک روایۃ ابن القاسم بتحقیقی: ۲۷۷ وسندہ صحیح، روایۃ یحییٰ بن یحییٰ ۱/۱۹۵ ح ۴۶۰، صحیح البخاری: ۴۰۳ وصحیح مسلم: ۵۲۶)

معلوم ہوا کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین عقیدے میں بھی صحیح خبر واحد کو حجت سمجھتے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے عیسائیوں کے بادشاہ ہرقل کی طرف دعوتِ اسلام کے لئے جو خط بھیجا تھا، اسے سیدنا دحیہ الکلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا تھا۔ (دیکھئے صحیح البخاری:۷)

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح خبر واحد ظنی نہیں ہوتی بلکہ یقینی، قطعی اور حجت ہوتی ہے۔

حافظ ابن الصلاح الشہر زوری لکھتے ہیں:

> ''صحیحین میں جتنی احادیث (حدثنا کے ساتھ بیان کردہ) ہیں وہ قطعی طور پر صحیح ہیں کیونکہ اُمت (اجماع کی صورت میں) معصوم عن الخطأ ہے لہٰذا جسے اُمت نے صحیح سمجھا ہے اس پر عمل (اور ایمان) واجب ہے اور یہ ضروری ہے کہ یہ روایات حقیقت میں بھی صحیح ہی ہیں۔''

اس پر محی الدین نووی کا اختلاف ذکر کرنے کے باوجود حافظ ابن کثیر الدمشقی لکھتے ہیں:

''اور یہ استنباط اچھا ہے ... میں اس مسئلے میں ابن الصلاح کے ساتھ ہوں، انھوں نے جو کہا اور راہنمائی کی ہے (وہی صحیح ہے) واللہ اعلم ''

(اختصار علوم الحدیث مع تحقیق الشیخ الالبانی ج ۱ ص ۱۲۵، ۱۲۶)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں:

''اس کے بعد مجھے ہمارے استاد علامہ ابن تیمیہ کا کلام ملا جس کا مضمون یہ ہے:
جس حدیث کو (ساری) امت کی (بالاجماع) تلقی بالقبول حاصل ہے، اس کا قطعی الصحت ہونا ائمۂ کرام کی جماعتوں سے منقول ہے۔ ان میں قاضی عبدالوہاب المالکی، شیخ ابو حامد الاسفرائنی، قاضی ابو الطیب الطبری اور شافعیوں میں سے شیخ ابو اسحاق الشیرازی، حنابلہ میں سے (ابو عبداللہ الحسن) ابن حامد (البغدادی الوراق)، ابو یعلیٰ ابن الفراء، ابو الخطاب، ابن الزاغونی اور ان جیسے دوسرے علماء، حنفیہ میں سے شمس الائمہ السرخسی سے یہی بات منقول ہے۔ (کہ تلقی بالقبول والی احادیث قطعی الصحت ہیں)
ابن تیمیہ (رحمہ اللہ) نے فرمایا: اشاعرہ (اشعری فرقے) کے جمہور متکلمین مثلاً ابو اسحاق الاسفرائنی اور ابن فورک کا یہی قول ہے... اور یہی تمام اہلِ حدیث (محدثینِ کرام اور ان کے عوام) اور عام سلف صالحین کا مذہب (دین) ہے۔ یہ بات ابن الصلاح نے بطورِ استنباط کہی تھی جس میں انھوں نے ان اماموں کی موافقت کی ہے۔''

(اختصار علوم الحدیث ج ۱ ص ۱۲۷، ۱۲۸)

جو حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو جائے، اس کے بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اسے ترک کرنا جائز نہیں ہے۔ (مناقب الشافعی للبیہقی ج ۱ ص ۴۸۳ وسندہ صحیح)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے تھے: ''**متى رويتُ عن رسول الله ﷺ حديثًا صحيحًا فلم آخذ به والجماعة ـ فأشهد كم أن عقلي قد ذهب**''

جب میرے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث بیان کی جائے اور میں اسے (بطورِ عقیدہ

وبطورِعمل) نہ لوں تو گواہ رہو کہ میری عقل زائل ہوچکی ہے۔ (مناقب الشافعی ج ۱ ص ۴۷۴ وسندہ صحیح)

معلوم ہوا کہ امام شافعی کے نزدیک، صحیح حدیث پر عمل نہ کرنے والا شخص پاگل ہے۔

امام شافعی خبر واحد (صحیح) کو قبول کرنا فرض سمجھتے تھے۔ (دیکھئے جماع العلم للشافعی ص ۸ فقرہ: ۱)

امام شافعی نے امام احمد بن حنبل سے فرمایا: تم ہم سے زیادہ صحیح حدیثوں کو جانتے ہو، پس اگر خبر (حدیث) صحیح ہو تو مجھے بتا دینا تاکہ میں اس پر عمل کروں چاہے (خبر) کوفی، بصری یا شامی ہو۔ (حلیۃ الاولیاء ۹/۱۷۰، وسندہ صحیح، الحدیث: ۲۵ ص ۳۲)

معلوم ہوا کہ صحیح حدیث چاہے صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہو یا سنن اربعہ و مسند احمد وغیرہ میں ہو یا دنیا کی کسی معتبر و مستند کتاب میں صحیح سند سے موجود ہو تو اس پر ایمان لانا اور عمل کرنا فرض ہے۔ اسے ظنی، خبر واحد، مشکوک، اپنی عقل کے خلاف یا خلافِ قرآن وغیرہ کہہ کر رد کر دینا باطل، مردود اور گمراہی ہے۔

امامِ اہلِ سنت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے رسول اللہ ﷺ کی (صحیح) حدیث رد کی تو وہ شخص ہلاکت کے کنارے پر (گمراہ) ہے۔

(مناقب احمد ص ۱۸۲، وسندہ حسن، الحدیث: ۲۶ ص ۲۸)

امام مالک کے سامنے ایک حدیث بیان کی گئی تو انھوں نے فرمایا: ''یہ حدیث حسن ہے، میں نے یہ حدیث اس سے پہلے کبھی نہیں سنی'' اس کے بعد امام مالک اسی حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے تھے۔ (تقدمۃ الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ص ۳۱، ۳۲ ج ۱، وسندہ حسن)

امام ابوحنیفہ کے بارے میں حنفی علماء یہ کہتے ہیں کہ صحیح حدیث ان کا مذہب تھا۔

عبدالحئی لکھنوی لکھتے ہیں: ''أما بالخبر الواحد فقال بجوازہ الأئمة الأربعة''

قرآن کی خبر واحد (صحیح) کے ساتھ تخصیص ائمۂ اربعہ کے نزدیک جائز ہے۔

(غیث الغمام ص ۲۷۷)

معلوم ہوا کہ زمانۂ تدوینِ حدیث کے بعد، اصولِ حدیث کی رُو سے صحیح روایت کو ایمان، عقائد، صفات اور احکام وغیرہ سب مسائل میں قبول کرنا فرض ہے۔ (۱۴/ فروری ۲۰۰۷ء)

حافظ زبیرعلی زئی

اضواءالمصابیح

صفاتِ باری تعالیٰ پر ایمان

[۸۷] وعن عمران بن حصين :أن رجلين من مزينة قالا :يا رسول الله ! أرأيت ما يعمل الناس اليوم ويكدحون فيه ؟ أشيء قضي عليهم ومضى فيهم من قدر سبق ، أو فيما يستقبلون به مما أتاهم به نبيهم وثبتت الحجة عليهم ؟ فقال :((لا ، بل شيء قضي عليهم ومضى فيهم)) وتصديق ذلك في كتاب الله عزوجل :﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ رواه مسلم .

(سیدنا) عمران بن حصین (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ مُزَینہ (قبیلے) کے دو آدمیوں نے (رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر) عرض کیا: یا رسول اللہ! لوگ آج کل جو اعمال اور سخت محنتیں کرتے ہیں، آپ کا کیا خیال ہے؟ کیا ان پر اس کا فیصلہ پہلے سے ہی قضاوقدر میں لکھا جاچکا ہے یا آئندہ مستقبل میں ہوگا جیسے ان کے نبی تشریف لائے اور ان پر حجت قائم فرما دی؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا: نہیں، بلکہ اس چیز کا فیصلہ پہلے سے ہی ہو چکا اور گزر چکا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں ہے:

﴿ وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَاo فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾

اور نفس (کی قسم) اور جس نے اسے برابر بنایا پھر اس کے دل میں اس (نفس) کی بدکاری اور پرہیز گاری ڈال دی۔ (الشمس: ۷، ۸)

اسے مسلم (۲۶۵۰/۱۰) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① معلوم ہوا کہ تقدیر پہلے سے مقرر شدہ ہے اور انسان مجبورِ محض نہیں بلکہ اپنے اعمال

میں خود مختار ہے۔

② حدیث اور قرآن ایک دوسرے کی تصدیق کرتے ہیں۔

[۸۸] **وعن أبي هريرة، قال :قلت :يا رسول الله !إني رجل شاب ، وأنا أخاف علٰى نفسي العنت ، ولا أجد ما أتزوج به النساء، كأنه يستأذنه في الإختصاء، قال:فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فسكت عني، ثم قلت مثل ذلك ، فقال النبي ﷺ :((يا أبا هريرة! جف القلم بما أنت لاقٍ، فاختص علٰى ذلك أو ذر)) رواه البخاري .**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ میں نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا: یارسول اللہ! میں نوجوان مرد ہوں اور مجھے اپنے آپ پر غلطی (زنا) کا ڈر ہے اور میرے پاس عورتوں سے شادی کرنے کی استطاعت (مال) نہیں ہے؟ (راوی نے کہا:) گویا وہ آپ (ﷺ) سے خصی ہو جانے کی اجازت مانگ رہے تھے۔

(ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا:) آپ (ﷺ) خاموش رہے تو میں نے یہ بات دوبارہ اور سہ بارہ کہہ دی۔ پھر نبی ﷺ نے فرمایا: اے ابو ہریرہ! تو جو کرنے والا ہے اس کے بارے میں (تقدیر کا) قلم خشک ہو چکا ہے، اس پر اگر تم خصی ہونا چاہتے ہو تو تمھاری مرضی ہے یا اسے چھوڑ دو۔

اسے بخاری (۵۰۷۶) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① تقدیر میں جو لکھا ہوا ہے وہ ہو کر رہے گا۔

② سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی تقدیر میں لکھا ہوا تھا کہ وہ زنا نہیں کریں گے بلکہ شادی کریں گے اور ان کی اولاد ہوگی اور یہ ہو کر رہا۔

③ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انتہائی متقی اور متبع کتاب وسنت تھے۔ وہ ہر وقت ہر لحاظ سے اپنے

آپ کو گناہوں اور غلطیوں سے بچانا چاہتے تھے۔

④ نبی کریم ﷺ نے مردوں کو خصی ہو جانے سے منع فرمایا ہے۔

(دیکھئے صحیح بخاری: ۵۰۷۱ و صحیح مسلم: ۱۴۰۴)

لہٰذا اس حدیث میں ((فاختص)) کا لفظ زجر اور منع پر محمول ہے۔

⑤ متقی شاگرد اگر غلط فہمی سے کوئی غلط سوال بھی کر دے تو استاد کو چاہئے کہ نرمی، تحمل اور حکمتِ عملی سے جواب دے۔

[**۸۹**] **وعن عبدالله بن عمرو، قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن قلوب بني آدم كلها بين أصبعين من أصابع الرحمٰن كقلب واحدٍ، يصرفه كيف يشاء)) ثم قال رسول الله ﷺ: ((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ)) . رواه مسلم**

(سیدنا) عبداللہ بن عمرو (بن العاص رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن (اللہ) کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں۔ وہ جس طرح چاہتا ہے انھیں پھیرتا ہے، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ))

اے ہمارے اللہ! دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔ اسے مسلم (۲۶۵۴/۱۷) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① دلوں کو اللہ ہی نیکی یا بدی کی طرف پھیرتا ہے۔ وہ بندوں کے افعال کا خالق ہے۔

② اللہ تعالیٰ کا ہاتھ اور انگلیاں اس کی صفت ہے جو اس کی شان کے لائق ہے اور مخلوق سے قطعاً مشابہ نہیں ہے۔ اس صفت کا انکار کرنا یا اسے مخلوق سے تشبیہ دینا دونوں طرح باطل ہے اور گمراہوں کا عقیدہ ہے بلکہ صحیح عقیدہ صرف یہی ہے کہ قرآن و حدیث میں مذکور تمام صفات باری تعالیٰ پر تمثیل، تعطیل اور تکییف کے بغیر ایمان لایا جائے۔

ليس كمثله شيئ وهو السميع البصير.

③ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ ہی کے حکم، ارادے اور مشیئت سے ہو رہا ہے۔

[۹۰] **وعن أبي هريرة ، قال :قال رسول الله ﷺ :((ما من مولود إلا يولد على الفطرة ، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه ، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء ، هل تحسون فيها من جدعاء ؟ ثم يقول: ﴿ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ﴾ . متفق عليه .**

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر پیدا ہونے والا فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جیسے (عام) جانور صحیح وسالم پیدا ہوتے ہیں۔ کیا تم ان میں سے کسی کا کوئی عضو کٹا ہوا دیکھتے ہو؟

پھر آپ فرماتے ہیں: ﴿ **فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ** ﴾ اللہ کی فطرت ہے جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں، یہی دین قیم ہے۔ (الروم:۳۰)

متفق علیہ (صحیح بخاری:۱۳۵۸ وصحیح مسلم:۲۲/۲۶۵۸)

فقہ الحدیث

① دنیا کے عام انسان دین فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شرک و کفر کا شائبہ تک نہیں ہوتا لیکن ان کے والدین، رشتہ دار، دوست اور دوسرے لوگ انھیں کافر و مشرک بنا دیتے ہیں۔ اس کی تائید اس حدیثِ قدسی سے بھی ہوتی ہے جس میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے اپنے تمام بندوں کو موحد (مسلم) پیدا کیا ہے اور شیطانوں نے آ کر انھیں دین سے بھٹکا دیا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۸۶۵)

② اسلام دینِ فطرت ہے۔

③ دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ کافروں کے مرنے والے نابالغ بچوں کی نمازِ جنازہ نہیں پڑھی جائے گی۔ دیکھئے اضواء المصابیح ح ۹۳

④ بعض لوگ صحیح احادیث اور صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں۔ یہ معتزلہ، خوارج، معطلہ، جہمیہ، روافض اور منکرینِ حدیث وغیرہ کہلاتے ہیں۔ انھوں نے اپنے نظریات قرآن وحدیث اور سلف صالحین سے نہیں لئے بلکہ اہلِ باطل اَخلاف سے لئے ہیں یا خود گھڑ لئے ہیں۔

[۹۱] و عن أبي موسى قال :قام فينا رسول الله ﷺ بخمس كلمات فقال: ((إن الله لا ينام و لا ينبغي له أن ينام ، ويخفض القسط ويرفعه ، يرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل ، حجابه النور، لو كشفه لأحرقت سبحات وجهه ما انتهى إليه بصره من خلقه)) رواه مسلم .

سیدنا ابوموسیٰ (الاشعری رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کھڑے ہوکر ہمیں پانچ باتیں بتائیں، آپ نے فرمایا: (۱) اللہ نہیں سوتا (۲) اور نہ اس کے لئے سونا مناسب ہے۔ (۳) وہ میزان کو جھکاتا اور اٹھاتا ہے۔ (۴) رات کے اعمال دن کے اعمال سے پہلے اس کے پاس پہنچتے یعنی حاضر کئے جاتے ہیں اور دن کے اعمال رات کے اعمال سے پہلے پہنچتے ہیں۔ (۵) اس کا حجاب نور ہے اور اگر وہ اپنے نور کے پردے کھول دے تو اس کی بصر و چمک جہاں تک پہنچے وہ ہر مخلوق کو جلا دے۔ اسے مسلم (۱۷۹/۲۹۳) نے روایت کیا ہے۔

فقہ الحدیث

① اللہ کی بصر ساری کائنات کو محیط ہے۔ اس کی بصر، علم اور قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔

② اللہ جسے چاہتا ہے، نیکی کی توفیق دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے، گمراہیوں میں بھٹکا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ سب اسی کی تقدیر کے مطابق ہو رہا ہے۔

③ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنا ممکن نہیں ہے لیکن دوسرے دلائل سے ثابت ہے کہ آخرت

میں اہلِ ایمان اپنے رب کا دیدار کریں گے۔

[**٩٢**] **وعن أبي هريرة قال :قال رسول الله ﷺ :((يد الله ملأى لا تغيضها نفقة ، سحاء الليل والنهار ، أرأيتم ما أنفق مذ خلق السماء والأرض؟ فإنه لم يغض ما في يده ، وكان عرشه على الماء ، وبيده الميزان يخفض ويرفع)) متفق عليه .**

وفي رواية لمسلم :((يمين الله ملأى - قال ابن نمير ملآن - سحاء لا يغيضها شيئ الليل والنهار))

(سیدنا) ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا ہاتھ بھرا ہوا ہے، دن رات خرچ کرنے سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی۔

کیا تم جانتے ہو کہ جب سے اس نے زمین وآسمان پیدا کئے اُس نے کیا کچھ خرچ کیا ہے؟ اس کے ہاتھ میں (جو خزانہ ہے اس میں) کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اس کا عرش پانی پر تھا اور اس کے ہاتھ میں میزان ہے جسے وہ جھکاتا ہے اور بلند کرتا ہے۔

متفق علیہ (صحیح بخاری:٤٦٨٤ وصحیح مسلم:٩٩٣/٣٧)

مسلم (٩٩٣/٣٦) کی روایت میں ہے کہ اللہ کا دایاں ہاتھ بھرا ہوا ہے اور ابن نمیر (ایک ثقہ راوی) کی روایت میں ہے کہ اللہ کے دونوں ہاتھ بھرے ہوئے ہیں، دن رات خرچ کرنے سے اس (کے خزانے) میں کمی نہیں ہوتی۔

فقہ الحدیث:

① ساری کائنات اور ہر چیز کا خالق صرف ایک اللہ ہے۔ وہ اگر اپنی مخلوقات کو اپنے پیدا کردہ خزانوں میں سے بے انتہا بخش دے تب بھی اس کے خزانوں میں کمی نہیں ہوتی۔

② اللہ تعالیٰ سات آسمانوں سے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔

③ اللہ کا ہاتھ اس کی صفت ہے جس پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ کے دونوں ہاتھ دائیں ہیں۔ منکرینِ صفات کا ہاتھ سے قدرت مراد لینا باطل ہے۔

الحدیث: ۳۵ حافظ زبیر علی زئی

توضیح الاحکام

کلمۂ طیبہ کا ثبوت

سوال: کیا کلمۂ طیبہ ''لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' کا ثبوت کسی صحیح حدیث میں ملتا ہے؟ تحقیق سے جواب دیں۔ جزا کم الله خیرًا. [حبیب محمد، بیاڑ۔دیر]

الجواب: الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمین، أما بعد:

امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی رحمہ اللہ (متوفی ۴۵۸ھ) نے فرمایا:

'' أخبرنا أبو عبدالله الحافظ :ثنا أبو العباس محمد بن یعقوب :ثنا محمد بن إسحاق :ثنا یحیی بن صالح الوحاظي :ثنا إسحاق بن یحیی الکلبي :ثنا الزهري :حدثني سعید بن المسیب أن أبا هریرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال:((أنزل الله تعالىٰ في کتابه فذکر قومًا استکبروا فقال :﴿ اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ وقال تعالىٰ :﴿ اِذْ جَعَلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا ﴾ وهي :لاإله إلا الله محمد رسول الله)) استکبر عنها المشرکون یوم الحدیبیة یوم کاتبهم رسول الله ﷺ في قضیة المدة . ''

ہمیں ابوعبداللہ الحافظ (امام حاکم، صاحب المستدرک) نے خبر دی (کہا): ہمیں ابوالعباس محمد بن یعقوب (الاصم) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں محمد بن اسحاق (بن جعفر، ابوبکر الصغانی) نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں یحییٰ بن صالح

الوحاظی نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں اسحاق بن یحییٰ الکلبی نے حدیث بیان کی (کہا): ہمیں (ابن شہاب) الزہری نے حدیث بیان کی (کہا): مجھے سعید بن المسیب نے حدیث بیان کی، بے شک انھیں (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کی (....) فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں نازل فرمایا تو تکبر کرنے والی ایک قوم کا ذکر کر کے فرمایا: یقیناً جب انھیں لا الٰہ الا اللہ کہا جاتا ہے تو تکبر کرتے ہیں۔ (الصّٰفّٰت:۳۵)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب کفر کرنے والوں نے اپنے دلوں میں جاہلیت والی ضد رکھی تو اللہ نے اپنا سکون و اطمینان اپنے رسول اور مومنوں پر اتارا اور ان کے لئے کلمۃ التقویٰ کو لازم قرار دیا اور وہ اس کے زیادہ مستحق اور اہل تھے۔ (الفتح:۲۶)

اور وہ (کلمۃ التقویٰ) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے۔

(صلح) حدیبیہ والے دن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدت (مقرر کرنے) والے فیصلے میں مشرکین سے معاہدہ کیا تھا تو مشرکوں نے اس کلمے سے تکبر کیا تھا۔

(کتاب الاسماء والصفات ص ۱۰۵، ۱۰۶، دوسرا نسخہ ص ۱۳۱، تیسرا نسخہ مطبوعہ انوار محمدی الہ آباد ۱۳۱۳ھ ص ۸۱ باب ماجاء فی فضل الکلمۃ الباقیۃ فی عقب ابراہیم علیہ السلام)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے۔

حاکم، اصم، محمد بن اسحاق الصغانی، زہری اور سعید بن المسیب سب اعلیٰ درجے کے ثقہ ہیں۔

۱: یحییٰ بن صالح الوحاظی صحیح بخاری و صحیح مسلم کے راوی اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ تھے۔ امام ابو حاتم الرازی نے کہا: صدوق، امام یحییٰ بن معین نے کہا: ''ثقة''

(الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم ۹/۱۵۸ وسندہ صحیح)

امام بخاری نے فرمایا: **ویحیی ثقة** (کتاب الضعفاء الصغیر:۱۴۵ طبع ہندیہ)

یحییٰ بن صالح پر درج ذیل علماء کی جرح ملتی ہے:

۱: احمد بن حنبل ۲: اسحاق بن منصور ۳: عقیلی ۴: ابو احمد الحاکم

امام احمد کی جرح کی بنیاد ایک مجہول انسان ہے۔ دیکھئے الضعفاء للعقیلی (۴۰۸/۴)
یہ جرح امام احمد کی توثیق سے معارض ہے۔
ابوزرعہ الدمشقی نے کہا: ''**لم یقل یعني أحمد بن حنبل في یحیی بن صالح إلا خیرًا** ''
احمد بن حنبل نے یحییٰ بن صالح کے بارے میں صرف خیر ہی کہا ہے۔
(تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۸/۶۸ وسندہ صحیح)

اسحاق بن منصور کی جرح کا راوی عبداللہ بن علی ہے۔ (الضعفاء للعقیلی ۴۰۹/۴)
عبداللہ بن علی کا ثقہ وصدوق ہونا ثابت نہیں ہے لہٰذا یہ جرح ثابت نہیں ہے۔ عقیلی کی جرح الضعفاء الکبیر میں نہیں ملی لیکن تاریخ دمشق میں یہ جرح ضرور موجود ہے۔ (۷۹/۶۸)
اس جرح کا راوی یوسف بن احمد غیر موثق (مجہول الحال) ہے لہٰذا یہ جرح بھی ثابت نہیں ہے۔
ابواحمد الحاکم (اور بشرطِ صحت احمد، اسحاق بن منصور اور عقیلی) کی جرح جمہور محدثین کی توثیق کے مقابلے میں مردود ہے۔ حافظ ذہبی نے کہا:
'' **ثقة في نفسه ، تکلم فیه لرأیه** '' وہ بذاتِ خود ثقہ تھے، ان کی رائے کی وجہ سے (ابواحمد الحاکم وغیرہ کی طرف سے) ان میں کلام کیا گیا ہے۔
(معرفۃ الرواۃ المتکلم فیهم بمالا یوجب الرد: ۳۶۷)
حافظ ابن حجر نے کہا: خالد (بن مخلد) اور یحییٰ بن صالح دونوں ثقہ ہیں۔
(فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۴ تحت ح ۵۳۷۸ کتاب الأطعمۃ باب الأکل ممایلیہ)

اور کہا: **صدوق من أهل الرأي** (تقریب التہذیب: ۷۵۶۸)
تقریب التہذیب کے محققین نے لکھا ہے: ''**بل ثقة**'' بلکہ وہ ثقہ ہے۔ (التحریر ج ۴ ص ۸۸)
خلاصۃ التحقیق: یحییٰ بن صالح ثقہ وصحیح الحدیث ہیں۔
۲: اسحاق بن یحییٰ بن علقمہ الکلبی الحمصی العوصی صحیح بخاری کے (شواہد کے) راوی ہیں۔
دیکھئے صحیح البخاری (۶۸۲، ۱۳۵۵، ۳۲۹۹، ۳۴۴۳، ۳۹۲۷، ۶۶۴۷، ۷۰۰۰، ۷۱۷۱، ۷۳۸۲)

حافظ ابن حبان نے انھیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ج ٦ ص ٤٩) اور صحیح ابن حبان میں ان سے روایت لی ہے۔ (الاحسان: ٤/٦٠٧)

دارقطنی نے کہا: ''أحاديثه صالحة والبخاري يستشهده ولا يعتمده في الأصول''
ان کی حدیثیں صالح (اچھی) ہیں، بخاری شواہد میں ان سے روایت لیتے ہیں اور اصول میں ان پر اعتماد نہیں کرتے۔ (سوالات الحاکم للدارقطنی: ۲۸۰)

تنبیہ: امام بخاری شواہد میں جس راوی سے روایت لیتے ہیں وہ ان کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے (اِلا یہ کہ کسی خاص راوی کی تخصیص ثابت ہو جائے) دیکھئے شروط الأئمة الستة لمحمد بن طاہر المقدسی (ص ۱۸ دوسرا نسخہ ص ۱۴)

ابو عوانہ نے صحیح ابی عوانہ (المستخرج علیٰ صحیح مسلم) میں ان سے روایت لی ہے۔ (ج ۲ ص ۲۹۳)

حافظ ابن حجر نے کہا: ''صدوق ، قيل : إنه قتل أباه'' سچا ہے، کہا گیا ہے کہ اس نے اپنے باپ کو قتل کیا تھا۔ (تقریب التہذیب: ۳۹۱)

باپ کو قتل کرنے والا قصہ تہذیب الکمال (طبع مؤسسۃ الرسالہ ج ۱ ص ۲۰۲) میں بغیر کسی سند کے '' أبو عوانة الأسفرائني عن أبي بكر الجذامي عن ابن عوف قال : يقال '' سے مروی ہے۔ یہ قصہ کئی لحاظ سے مردود ہے:

① ابو عوانہ تک سند غائب ہے۔
② ابو بکر الجذامی نامعلوم ہے۔
③ یقال (کہا جاتا ہے) کا قائل نامعلوم ہے۔

صاحب تہذیب الکمال نے بغیر کسی سند کے محمد بن یحییٰ الذہلی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے اسحاق بن یحییٰ کو طبقۂ ثانیہ میں ذکر کیا اور کہا: ''مجهول : لم أعلم له روايةً غير يحيى بن صالح الوحاظي فإنه أخرج إليّ له أجزاء من حديث الزهري فوجدتها مقاربة فلم أكتب منها إلا شيئًا يسيرًا''
مجہول ہے، میرے علم میں یحییٰ بن صالح الوحاظی کے سوا کسی نے اس سے روایت بیان نہیں

کی۔ انھوں نے میرے سامنے اس کی زہری سے حدیثوں کے اجزاء پیش کئے تو میں نے دیکھا کہ یہ روایات مقارب (صحیح ومقبول اور ثقہ راویوں کے قریب قریب) ہیں۔ میں نے ان میں سے تھوڑی روایتیں ہی لکھی ہیں۔ (ج ا ص ۲۰۲)

حافظ ابوبکر محمد بن موسیٰ الحازمی (متوفی ۵۹۱ھ) نے امام زہری کے شاگردوں کے طبقۂ ثانیہ کے بارے میں کہا کہ وہ مسلم کی شرط پر ہیں۔ (شروط الائمۃ الخمسہ ص ۵۷)

معلوم ہوا کہ یہ راوی امام محمد بن یحییٰ الذہلی کے نزدیک مجہول ہونے کے ساتھ ثقہ وصدوق اور مقارب الحدیث ہے (!) ورنہ یہ جرح جمہور محدثین کے مقابلے میں مردود ہے۔

خلاصۃ التحقیق: اسحاق بن یحییٰ الکلبی حسن الحدیث ہے۔

فائدہ: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ والی یہی روایت شعیب بن ابی حمزہ نے ''**عن الزهري عن سعيد بن المسيب عن أبي هريرة**'' کی سند سے بیان کر رکھی ہے۔

(کتاب الایمان لابن مندہ ج ا ص ۳۵۹ ح ۹۹ وسندہ صحیح إلی شعیب ابن ابی حمزہ)

اس شاہد کے ساتھ اسحاق بن یحییٰ کی روایت مزید قوی ہو جاتی ہے۔ والحمد للہ

دوسری دلیل: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔ حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: ''**فهذا إجماع صحيح كا لإجماع على قول لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله**'' پس یہ اجماع صحیح ہے جیسا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے کلمے پر اجماع ہے۔

(المحلیٰ ج ۱۰ ص ۴۲۳، العین، مسئلہ: ۳۰۲۵)

حافظ ابن حزم مزید لکھتے ہیں:

''**وكذلك ما اتفق عليه جميع أهل الإسلام بلا خلاف من أحد منهم من تلقين موتاهم: لا إلٰه إلا الله محمد رسول الله**''

اور اسی طرح تمام اہلِ اسلام بغیر اختلاف کے اس پر متفق ہیں کہ مرنے والوں کو (موت کے وقت) لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (پڑھنے) کی تلقین کرنی چاہئے۔

(الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ا ص ۱۶۲، الرد علی من زعم أن الانبیاء علیہم السلام لیسوا أنبیاء الیوم)

معلوم ہوا کہ کلمۂ اخلاص: کلمۂ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا صحیح حدیث اور اجماع سے ثبوت موجود ہے۔ والحمدلله وصلی الله علٰی نبیه وسلم .

تنبیہ: ''مفتی'' محمد اسماعیل طورو دیوبندی نے ''شش کلمے'' کے تحت لکھا ہے:

'' کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

(ترجمہ) نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں ۔ (البخاری، مسلم ج ۱ ص ۳۷) ''

(مختصر نصاب ص ۲۴ طبع ۲۰۰۵ء دارالافتاء جامعہ اسلامیہ، صدر کامران مارکیٹ راولپنڈی)

یہ مکمل کلمہ نہ تو صحیح بخاری کی کسی حدیث میں لکھا ہوا ہے اور نہ صحیح مسلم کی کسی حدیث میں اس طرح موجود ہے۔ مفتی بنے ہوئے علماء کو اپنی تحریروں میں احتیاط کرنی چاہئے اور غلط حوالوں سے کلی اجتناب کرنا چاہئے۔ وما علینا إلا البلاغ (۱۶/فروری ۲۰۰۷ء)

بے سند جرح وتعدیل اور اوکاڑوی کلچر

سوال: امین اوکاڑوی لکھتے ہیں:

''آج کل راویوں کے حالات کا دارومدار تقریب التہذیب، تہذیب التہذیب، خلاصۃ التہذیب، تذکرۃ الحفاظ، میزان الاعتدال وغیرہ کی کتابوں پر ہے اور یہ سب کتابیں بے سند ہیں۔ آٹھویں صدی کا آدمی پہلی صدی کے آدمی کو ثقہ اور ضعیف کہہ رہا ہے اور درمیان میں سات سو سال کی کوئی سند نہیں کیا ان کتابوں کا بھی انکار کر دو گے؟''

(مجموعہ رسائل جدید ایڈیشن ۲/ ۴۴۷، ادارہ خدام احناف لاہور)

سوال یہ ہے کہ کیا یہ کتابیں بے سند ہیں اور آٹھویں صدی کے آدمی پہلے صدی کے آدمی پر بغیر کسی سند کے جرح کرتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔ اللہ آپ کی زندگی میں برکت دے۔ آمین

(ابوجواد شیر زادہ ہمدرد، ڈوگدرہ۔ دیر بالا ۲۴ جنوری ۲۰۰۷ء)

الجواب: مذکورہ مشہور ومتواتر اور ثابت شدہ کتابوں میں بعض اقوال بے سند ہیں اور بعض اقوال باسند ہیں۔ باسند اقوال کی چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں:

۱: احمد بن خلیل بن حرب القومسی کے بارے میں حافظ ابن حجر نے لکھا ہے:

''**نسبه أبو حاتم إلى الكذب**'' ابوحاتم نے اسے کذب (جھوٹ) کی طرف منسوب کیا ہے۔ (تقریب التہذیب:۳۴)

حافظ ابن حجر کی پیدائش سے صدیوں پہلے امام ابوحاتم الرازی نے فرمایا:

'' **أحمد بن خليل القومسي كذاب** '' (الجرح والتعدیل ج۲ص۵۰ت۴۹)

۲: تہذیب التہذیب کے پہلے راوی احمد بن ابراہیم بن خالد الموصلی کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: ''**وقال إبراهيم بن الجنيد عن ابن معين : ثقة صدوق** '' (ج۱ص۹)

حافظ ابن حجر کی ولادت سے صدیوں پہلے والی کتاب سوالات ابن الجنید میں لکھا ہوا ہے کہ یحییٰ بن معین سے حارث النقال اور احمد بن ابراہیم الموصلی کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: ''**ثقتين صدوقين**'' دونوں ثقہ صدوق ہیں۔ (سوالات ابن الجنید:۱۱۴)

۳: خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال للخزرجی کے پہلے راوی احمد بن ابراہیم بن خالد الموصلی کے بارے میں خزرجی (متوفی ۹۲۳ھ) نے امام یحییٰ بن معین سے نقل کیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: ''**ليس به بأس**'' یہ قول بعینہ کتاب الجرح والتعدیل میں امام یحییٰ بن معین سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے۔ (ج۲ص۳۹ت۱)

٤: حافظ ذہبی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ کے شروع میں انھوں نے ایک روایت لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے احادیث کا ایک مجموعہ لکھا تھا جسے بعد میں انھوں نے جلا دیا تھا۔ (ج۱ص۵ت۱)

یہ روایت حافظ ذہبی نے حاکم نیشاپوری سے مکمل سند ومتن کے ساتھ نقل کر کے لکھا ہے:

''**فهذا لا يصح**'' پس یہ صحیح نہیں ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ ج۱ص۵)

تنبیہ: محمد زکریا تبلیغی دیوبندی نے اپنی کتاب حکایاتِ صحابہ میں یہی روایت حافظ ذہبی کی

جرح ذکر کئے بغیر نقل کر رکھی ہے۔(ص۹۸، آٹھواں باب) !
حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے تو سند نقل کر کے جرح کر رکھی ہے اور زکریا صاحب اسے جرح کے ذکر کے بغیر ہی اردو عوام کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔!

۵: حافظ ذہبی نے میزان الاعتدال کے پہلے راوی ابان بن اسحاق المدنی کے بارے میں ابوالفتح الازدی (مجروح) کی جرح نقل کر کے اسے رد کر دیا اور کہا: اسے عجلی نے ثقہ کہا ہے۔

(ج۱ص۵ ت۱)

احمد العجلی رحمہ اللہ کا قول ''ثقة'' تاریخ العجلی میں مذکور ہے۔(ص۵۰ ت۱۲)

تنبیہ: میزان الاعتدال میں غلطی کی وجہ سے ''**وثقه أحمد والعجلي**'' چھپ گیا ہے جب کہ صحیح ''**وثقه أحمد العجلي**'' ہے۔(نیز دیکھئے حاشیہ تہذیب الکمال تحقیق بشار عواد معروف ج۲ص۶)

معلوم ہوا کہ اوکاڑوی صاحب کا یہ کہنا ''اور سب کتابیں بے سند ہیں'' غلط اور مردود ہے۔

تنبیہ بلیغ: ان مذکورہ کتابوں اور دوسری کتابوں میں جو اقوال و افعال مروی ہیں ان کی تحقیق کرنے کے بعد ہی انھیں بطورِ حجت پیش کرنا چاہئے۔ ثابت شدہ گواہیوں کو جمع کر کے جمہور قابلِ اعتماد محدثین کی تحقیق کو ہی ترجیح دینی چاہئے۔

بعض اوقات کسی راوی پر ان کتابوں میں جرح منقول تو ہوتی ہے لیکن اپنے قائل سے باسند صحیح ثابت نہیں ہوتی مثلاً مؤمل بن اسماعیل پر تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب اور میزان الاعتدال میں امام بخاری کی جرح ''**منكر الحديث**'' مروی ہے حالانکہ یہ جرح امام بخاری سے ثابت ہی نہیں ہے۔ دیکھئے ماہنامہ الحدیث: ۲۱ص ۱۹ و اثبات التعدیل فی توثیق مؤمل بن اسماعیل، اقوالِ جرح:۶

انتہائی افسوس کا مقام ہے کہ امین اوکاڑوی کلچر والے لوگ دن رات یہ بے سند جرح مؤمل بن اسماعیل پر فٹ کر رہے ہیں اور پھر کہتے ہیں: ''اور یہ سب کتابیں بے سند ہیں''!!
ان لوگوں کی یہ حرکت ظلمِ عظیم نہیں تو کیا ہے؟

(۸فروری ۲۰۰۷ھ)

رفع یدین کے خلاف ایک بے اصل روایت اور طاہر القادری صاحب

سوال: جناب حافظ صاحب بندہ آپ کے ''الحدیث'' کا مطالعہ کرتا ہے الحمدللہ آپ خوب محنت شاقہ سے اس کا اصدار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو قائم ودائم رکھے۔ آمین

پچھلے دنوں ہمارے ایک محسن ڈاکٹر طاہر حسین صاحب جو ہمارے قریب ہی ٹیکسٹائل یونیورسٹی میں لیکچرار ہیں، انھوں نے بتایا کہ طاہر القادری کی کتاب انٹرنیٹ پر انھوں نے دی ہے۔ جس کا نام منہاج السوی انھوں نے رکھا ہے اور اس کے اندر رفع الیدین کی احادیث کو صحیحین اور دوسری کتب سے توڑ مروڑ کر ذکر کیا ہے تو انھوں نے مجھ سے کہا کہ ان کا جواب مطلوب ہے تو الحمدللہ کوشش کرنے کے بعد آپ کی کتاب نور العینین مل گئی جس میں مطلوبہ جواب بھی حاصل ہو گئے مگر ایک دلیل جو انھوں نے ۲۱۴ نمبر پہ ذکر کی ہے جس کا متن یہ ہے:

" عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال :إن العشرة الذين بشر لهم رسول الله ﷺ بالجنة ما كانوا يرفعون أيديهم إلا لإفتتاح الصلاة، قال السَّمرقندي: وخلاف هؤلاء الصحابة قبيح "

اس کی تخریج انھوں نے کی ہے۔ اخرجہ السمرقندی فی تحفۃ الفقہاء (۱/۱۳۲، ۱۳۳) والکاسانی فی بدائع الصنائع (۱/۲۰۷) والعینی فی عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری (۵/۲۷۲)

تو نور العینین میں تلاش کرنے سے اس کا جواب نہیں مل سکا لہٰذا معذرت سے آپ کو تکلیف دی جاتی ہے کہ اس اثر کی پوری تحقیق کر کے بندہ کو ارسال کر دیں۔ جوابی لفافہ ساتھ ہے اور اگر پہلے یہ آپ کی نظر سے نہیں گزری تو الحدیث میں بھی اس کو تحریر کریں تاکہ باقی قارئین الحدیث بھی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ **جزاكم الله خيرًا في الدنيا والآخرة .**

(سید عبدالحلیم چک نمبر ۲۰۳ ر۔ب مانانوالہ فیصل آباد)

الجواب:

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علىٰ رسوله الأمين ، أما بعد:

مشہور ثقہ امام عبداللہ بن المبارک المروزی رحمہ اللہ نے فرمایا:

''الإسناد من الدین ولو لا الإسناد لقال من شاء ما شاء''

اسناد دین میں سے ہیں (اور) اگر سند نہ ہوتی تو جس کے جو دل میں آتا کہتا۔

(صحیح مسلم، ترقیم دارالسلام:۳۲، ماہنامہ منہاج القرآن لاہور ج ۲۰ شمارہ:۱۱، نومبر ۲۰۰۶ء ص ۲۲)

اس سنہری قول سے معلوم ہوا کہ بے سند بات مردود ہوتی ہے۔ ادارہ منہاج القرآن کے بانی محمد طاہر القادری صاحب اس کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''پس روایت حدیث، علم حدیث، علم تفسیر اور مکمل دین کا مدار اسناد پر ہے۔ سند کے بغیر کوئی چیز قبول نہ کی جاتی تھی۔'' (ماہنامہ منہاج القرآن ج ۲۰ شمارہ:۱۱ ص ۲۳)

اس تمہید کے بعد عرض ہے کہ علاء الدین محمد بن احمد بن ابی احمد السمر قندی نے تحفۃ الفقہاء نامی کتاب میں لکھا ہے: **'' والصحیح مذھبنا لما روي عن ابن عباس أنه قال :إن العشرة الذین بشر لھم رسول الله ﷺ بالجنة ما کانوا یرفعون أیدیھم إلا لإ فتتاح الصلوٰة .**

قال السمرقندي : وخلاف ھؤلاء الصحابة قبیح ''

اور صحیح ہمارا (حنفی) مذہب ہے، اس وجہ سے کہ جو ابن عباس (رضی اللہ عنہ) سے روایت کیا گیا ہے کہ انھوں نے فرمایا: بے شک عشرہ مبشرہ جنھیں رسول اللہ ﷺ نے جنت کی خوش خبری دی، وہ شروع نماز کے سوا رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ سمرقندی نے کہا: اور ان صحابہ کی مخالفت بُری (حرکت) ہے۔ (ج ۱ ص ۱۳۲، ۱۳۳، دوسرا نسخہ ص ۶۶، ۶۷)

سمرقندی کے بعد تقریباً یہی عبارت علاء الدین ابوبکر بن مسعود الکاسانی (متوفی ۵۸۷ھ) نے بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (ج ۱ ص ۲۰۷) میں اور بدرالدین محمود بن احمد العینی (متوفی ۸۵۵ھ) نے بحوالہ بدائع الصنائع اپنی کتاب عمدۃ القاری (ج ۵ ص ۲۷۲) میں نقل کر رکھی ہے۔ ملا کاسانی نے بدائع الصنائع کے شروع میں یہ اشارہ کر دیا ہے کہ انھوں نے اپنے استاد محمد بن احمد بن ابی احمد السمر قندی سے لے کر اپنی کتاب مرتب کی ہے۔ (ج ۱ ص ۲)

معلوم ہوا کہ اس روایت کا دارومدار سمرقندی مذکور پر ہے۔ سمرقندی صاحب ۵۵۳ ہجری میں فوت ہوئے۔ دیکھئے معجم المؤلفین (ج ۳ ص ۶۷ ت ۱۱۷۵۰)

یعنی وہ پانچویں یا چھٹی صدی ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ فقیر محمد جہلمی تقلیدی نے انھیں حدیقۂ ششم (چھٹی صدی کے فقہاء وعلماء کے بیان) میں ذکر کیا ہے۔ (حدائق الحنفیہ ص ۲۶۷)

سمرقندی مذکور سے لے کر صدیوں پہلے ۶۸ھ میں فوت ہونے والے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ تک کوئی سند اور حوالہ موجود نہیں ہے لہٰذا یہ روایت بے سند اور بے حوالہ ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تنبیہ بلیغ: ایسی بے سند و بے حوالہ روایت کو ''أخرجه السمرقندي في تحفة الفقهاء'' إلخ اس کی تخریج سمرقندی نے تحفۃ الفقہاء میں کی ہے الخ کہہ کر سادہ لوح عوام کو دھوکا نہیں دینا چاہئے۔ لوگ تو یہ سمجھیں گے کہ سمرقندی کوئی بہت بڑا محدث ہوگا جس نے یہ روایت اپنی سند کے ساتھ اپنی کتاب تحفۃ الفقہاء میں نقل کر رکھی ہے۔ حالانکہ سمرقندی کا محدث ہونا ہی ثابت نہیں ہے بلکہ وہ ایک تقلیدی فقیہ تھا جس نے یہ روایت بغیر کسی سند اور حوالے کے ''رُوِي'' کے گول مول لفظ سے لکھ رکھی ہے۔ اب عوام میں کس کے پاس وقت ہے کہ اصل کتاب کھول کر تحقیق کرتا پھرے۔!

عام طور پر غیر ثابت اور ضعیف روایت کے لئے صیغۂ تمریض ''رُوِيَ'' وغیرہ کے الفاظ بیان کئے جاتے ہیں، دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح مع شرح العراقی (ص ۱۳۶ نوع ۲۲)

لہٰذا جس روایت کی کوئی سند سرے سے موجود ہی نہ ہو اور پھر بعض الناس اسے ''رُوِي'' وغیرہ الفاظ سے بیان کریں تو ایسی روایت موضوع، بے اصل اور مردود ہی ہوتی ہے۔

سمرقندی و کاسانی کی پیش کردہ یہ بے سند و بے حوالہ روایت متن اور اصولِ روایت واصولِ درایت کے لحاظ سے بھی مردود ہے۔

دلیل اول: امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ (متوفی ۲۳۵ھ) فرماتے ہیں:

'' حدثنا هشيم قال :أخبرنا أبو جمرة قال :رأيت ابن عباس يرفع

يديه إذا افتتح الصلوٰة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع ''

ہمیں ہشیم نے حدیث بیان کی، کہا: ہمیں ابو جمرہ نے خبر دی، کہا: میں نے ابن عباس (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا آپ شروع نماز اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ج۱ص۲۳۵ ح۲۴۳۱)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ یا صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بذاتِ خود رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین کرتے تھے لہٰذا یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ انھوں نے رفع یدین کے خلاف کوئی روایت بیان کر رکھی ہو۔ **من ادعى خلافه فعليه أن يأتي بالدليل .**

دلیل دوم: عشرۂ مبشرہ میں سے اول صحابی سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ رکوع سے پہلے اور رکوع کے بعد رفع یدین کرتے تھے۔ دیکھئے امام بیہقی کی کتاب السنن الکبریٰ (ج۲ص۷۳) **وقال :'' رواته ثقات ''** اس کے راوی ثقہ (قابلِ اعتماد) ہیں۔

تنبیہ: اس روایت کی سند بالکل صحیح ہے اور اس پر بعض الناس کی جرح مردود ہے۔ دیکھئے میری کتاب نور العینین فی مسئلۃ رفع الیدین (ص۱۱۹تا۱۲۱)

دلیل سوم: سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے بھی رکوع سے پہلے اور بعد والا رفع یدین مروی ہے۔ دیکھئے نصب الرایہ (ج۱ص۴۱۶) ومسند الفاروق لابن کثیر (ج۱ص ۱۶۵، ۱۶۶) وشرح سنن الترمذی لابن سید الناس (قلمی ج۲ص ۲۱۷) وسندہ حسن، دیکھئے نور العینین (ص۱۹۵تا۲۰۴) اس روایت کی سند حسن ہے اور یہ روایت شواہد کے ساتھ صحیح لغیرہ ہے۔

دلیل چہارم: سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر عشرۂ مبشرہ میں سے کسی ایک صحابی سے بھی رکوع سے پہلے اور بعد والے رفع یدین کا ترک، ممانعت یا منسوخیت قطعاً ثابت نہیں ہے۔

تنبیہ: طاہر القادری صاحب نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین کی تین روایات لکھی ہیں۔ (المنہاج السوی طبع چہارم ص۲۲۸، ۲۲۹ ح۲۵۸، ۲۶۰، ۲۶۱)

یہ تینوں روایات اُصولِ حدیث کی رُو سے ضعیف ہیں۔ دیکھئے نور العینین (ص۲۳۱، ۲۳۴، ۲۳۶)

ان میں سے پہلی روایت کے راوی محمد بن جابر پر خود امام دارقطنی و امام بیہقی نے جرح

کر رکھی ہے۔ اہلِ سنت کے جلیل القدر امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ھٰذا حدیث منکر'' یہ حدیث منکر ہے۔

(المسائل: روایۃ عبداللہ بن احمد ج ۱ ص ۲۴۲ ت ۳۲۷)

ابھی تک ماہنامہ الحدیث حضرو اور نور العینین کی محولہ تنقید و جرح کا کوئی جواب ہمارے پاس نہیں آیا۔ والحمدللہ

خلاصۃ التحقیق: محمد طاہر القادری صاحب کی مسئولہ روایتِ مذکورہ بے سند اور بے حوالہ ہونے کی وجہ سے بے اصل، باطل اور مردود ہے۔ **وما علینا إلا البلاغ** (۹ فروری ۲۰۰۷ء)

نماز میں قرآن کی آیات کا تصدیقی جواب

سوال: نماز میں قرآن کی چند آیات کا جواب دینا کیسا ہے؟ جیسا کہ احادیث میں ہے، کیا یہ درست ہے اور ان کا جواب تمام مقتدیوں کو دینا چاہیے یا کہ صرف امام کو؟ اور مقتدی اگر جواب دے تو وہ جہری طور پر دے یا دل میں؟ (ایک سائل)

الجواب: صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب رات کی نماز میں تسبیح والی آیت پڑھتے تو تسبیح فرماتے، جب دعا والی آیت پڑھتے تو دعا فرماتے اور جب تعوذ والی آیت پڑھتے تو آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے تھے۔ (ح ۷۷۲)

امام ابن ابی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے کہ ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ نے جمعہ کی نماز پڑھی۔ جب آپ نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ کی تلاوت کی تو کہا: ''**سبحان ربي الأعلی**'' (المصنف لابن ابی شیبہ ۲/ ۵۰۸)

تقریباً یہی عمل عمران بن حصین اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما وغیرہ سے ثابت ہے۔ (ایضاً)

لہٰذا امام کیلئے جائز ہے کہ جمعہ وغیرہ میں کسی آیت کی تلاوت کے بعد کبھی کبھار اس کا جواب بھی عربی زبان میں ہی جہراً یا سراً دے دے تاہم مجھے ایسی کوئی دلیل نہیں ملی کہ مقتدی حضرات بھی آیات کا جواب دیں گے لہٰذا نمازیوں کو چاہئے کہ وہ حالت جہر میں امام کے پیچھے صرف سورۂ فاتحہ پڑھیں۔ **واللہ أعلم** [شہادت فروری ۲۰۰۰ء] (۲۰ فروری ۲۰۰۷ء)

ابن بشیر الحسینوی

پانی کے احکام

(تلخیص وتہذیب)

انتہائی اختصار کے ساتھ کتاب وسنت کی روشنی میں پانی کے احکام پیشِ خدمت ہیں:

۱: وہ پانی جو عام ہے، پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے اس کی کئی قسمیں ہیں:

ا۔ بارش کا پانی: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''اور آسمان سے تم پر بارش برسادی تاکہ تمھیں پاک کردے۔'' (الانفال:۱۱)

نیز فرمایا: ''اور ہم نے آسمان سے پاک پانی نازل کیا۔'' (الفرقان:۴۸)

رسول اللہ ﷺ بارش کو دیکھ کر دعا فرماتے: ''اے اللہ! فائدہ دینے والی بارش برسا۔''

(صحیح البخاری:۱۰۳۲)

۲۔ برف کا پانی: رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کے جنازے پر دعا فرمائی:

اے اللہ...اور اسے پانی، برف اور اولوں سے دھوڈال۔

(صحیح مسلم:۹۶۳وترقیم دارالسلام:۲۲۳۲)

۳۔ اَولوں کا پانی: دلیل برف کے پانی میں گزر چکی ہے۔

۴۔ سمندروں (اور دریاؤں) کا پانی: رسول اللہ ﷺ نے سمندر اور دریا کے پانی کے متعلق فرمایا: ''سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار (مچھلی) حلال ہے۔''

(موطأ امام مالک:۱۲، ابوداود:۸۳وسندہ صحیح)

امام ابن خزیمہ نے مذکورہ حدیث پر باب باندھا ہے کہ ''سمندر کے پانی سے وضو اور غسل کرنا صحیح ہے کیونکہ اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار (مچھلی) حلال ہے۔'' (ح۱۱۱)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''دو طرح کے سمندر ایک جیسے نہیں ہوسکتے جن میں ایک کا پانی میٹھا پیاس بجھانے والا اور پینے میں خوشگوار اور دوسرا کھاری ہو، سخت کڑوا۔'' (فاطر:۱۲)

۵۔ نہروں کا پانی: ایک لمبی حدیث جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ ''اور اگر اس (گھوڑے) کا گزر کسی نہر سے ہوا، اس نے وہاں سے پانی پیا، گو اس کے مالک کا ارادہ پانی پلانے کا نہ تھا تب بھی نیکیاں لکھ دی جائیں گی...'' (صحیح البخاری:۲۳۷۱)

امام بخاری نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ ''نہروں سے انسانوں اور چوپایوں کا پانی پینا درست ہے''

۶۔ کنویں کا پانی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''پھر جب وہ (موسیٰ علیہ السلام) مدین کے کنویں پر پہنچے تو دیکھا کہ بہت سے لوگ (اپنے جانوروں کو) پانی پلا رہے ہیں۔'' (القصص:۲۳)

ایک شخص نے کنویں سے پانی پیا پھر پیاسے کتے کو بھی پلایا۔ (صحیح البخاری:۲۳۶۳، صحیح مسلم:۲۲۴۴)

۷۔ آبِ زمزم: ''رسول اللہ ﷺ نے آب زمزم کا ڈول منگوایا، اس سے پیا اور وضو کیا۔''

(زوائد مسند احمد ۱/۷۶ ح ۵۶۴ وسندہ حسن)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

''رسول اللہ ﷺ نے آب زمزم کھڑے ہو کر پیا۔'' (صحیح البخاری:۵۶۱۷)

اسی پانی سے رسول اللہ ﷺ کا معراج والی رات سینہ مبارک چاک کر کے دھویا گیا۔

(صحیح البخاری:۳۴۹)

اللہ تعالیٰ نے اس پانی میں بڑی برکات رکھی ہیں۔ دیکھئے زاد المعاد (۴/۳۹۳۔۳۹۴)

۸۔ چشموں کا پانی: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے لئے پانی کی دعا کی تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو چنانچہ اس پتھر سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور (قومِ موسیٰ کے بارہ قبیلوں میں سے) ہر قبیلے نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔'' (البقرۃ:۶۰)

نیز فرمایا: ''بے شک کچھ پتھر ایسے ہیں کہ ضرور پھوٹتی ہیں ان سے نہریں اور یقیناً ان میں سے (کچھ ایسے ہیں کہ) جب وہ پھٹتے ہیں تو نکل پڑتا ہے ان سے پانی (چشمے کی صورت میں)

(البقرۃ:۷۴)

۹۔ سیلاب کا پانی: اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''کیا انھوں نے دیکھا نہیں کہ ہم پانی کو بنجر زمین کی طرف بہا لاتے ہیں جس سے ہم کھیتی پیدا کرتے ہیں تو اسی سے ان کے چوپائے

بھی کھاتے ہیں اور وہ خود بھی کھاتے ہیں۔'' (السجدۃ:۲۷)

۲: وہ مستعمل پانی جو پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔

ا۔ وضو کے بعد برتن کا بچا ہوا پانی پینا: ''سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میری خالہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے کر گئی اس نے کہا: یا رسول اللہ! میرا بھانجا بیماری کی وجہ سے بے چین ہے آپ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے برکت کی دعا کی پھر آپ نے وضو کیا میں نے آپ کے وضو سے بچا ہوا پانی پی لیا۔'' (صحیح البخاری:۱۹۰)

سیدنا ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن دوپہر کے وقت ہمارے ہاں تشریف لائے آپ کے پاس وضو کا پانی لایا گیا آپ نے وضو کیا پھر لوگ آپ کے وضو کا باقی ماندہ پانی پینے لگے اور بدن پر ملنے لگے... (صحیح البخاری:۱۸۷)

۲۔ اس برتن کا پانی جس سے پہلے کوئی نہایا ہو: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے غسل کے بچے ہوئے پانی سے غسل کیا۔ (صحیح مسلم:۳۲۳)

ازواج مطہرات میں سے کسی نے ٹب (کے پانی) سے غسل کیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (بچے ہوئے پانی سے) وضو کرنا چاہا تو انھوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں تو جُنبی تھی؟ آپ نے فرمایا: پانی جنبی (ناپاک) نہیں ہوتا۔

(ابوداود:۶۸، ابن ماجہ:۳۷۰ اامام ترمذی[۶۵] نے حسن اور ابن حبان (۱۲۶۵) نے صحیح کہا۔)

۳۔ میاں بیوی کا جنبی ہونے کی حالت میں اکٹھے ایک برتن سے پانی لے کر غسل کرنا صحیح ہے۔ (صحیح مسلم:۳۲۱)

تو جنابت کے علاوہ بالاولیٰ صحیح ہوا۔

۴۔ وہ پانی جس میں پاک چیز ملا دی گئی ہو: سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کو نہلا رہی تھیں تو آپ نے فرمایا کہ ''اس کو تین، پانچ یا سات بار یا اس سے (بھی) زیادہ مرتبہ پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دو اور آخری بار (پانی میں) کچھ کافور بھی ملا لو۔'' (صحیح البخاری:۱۲۵۸، ۱۲۵۹، صحیح مسلم:۹۳۹)

۵۔ مشرکوں کے برتنوں میں موجود پانی سے وضواور غسل کرنا صحیح ہے۔
(صحیح بخاری:۳۴۴وصحیح مسلم:۶۸۲،صحیح ابن خزیمہ:۱۱۳،وسندہ صحیح)
لہٰذاان کے برتنوں میں پانی پینا اور انھیں استعمال کرنا بھی جائز ہے۔ واضح رہے کہ یہ صرف عذر کی صورت میں ایک رخصت ہے وگرنہ حتی الوسع کوشش کرنی چاہئے کہ یہود ونصاریٰ اور مشرکین کے برتنوں کو استعمال نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے اہلِ کتاب کے برتنوں کو استعمال کرنے کی بابت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:((**فلا تأکلوا فیھا وإن لم تجدوا فاغسلوھا ثم کلوا فیھا**)) تم ان (کے برتنوں) میں نہ کھاؤ، اور اگر تم (ان برتنوں کے علاوہ کوئی اور برتن) نہ پاؤ تو اسے دھو کر پھر اس میں کھا سکتے ہو۔[صحیح بخاری:۵۴۸۸،صحیح مسلم:۱۹۳۰]
۶۔ حلال جانور کے چمڑے میں جب پانی ہو اور وہ چمڑا رنگ کیا گیا ہو تو اس میں موجود پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے چاہے اسے ذبح کیا گیا ہو یا بغیر ذبح کے مردار ہو جائے۔
سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مشکیزے (کے پانی) سے وضو کرنے کا ارادہ فرمایا تو آپ سے کہا گیا کہ چمڑا تو مردار کا ہے آپ نے فرمایا:''اس کو رنگنا (دباغت کرنا) چمڑے کی نجاست کو زائل کر دیتا ہے۔''
(صحیح ابن خزیمہ:۱۱۴،وسندہ صحیح)

فائدہ: پاک گرم پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔
۷۔ وہ پانی (یا سیال) جس میں مکھی گر جائے تو وہ پانی (یا سیال) پاک ہے اور مکھی کو غوطہ دے کر باہر نکال کر پھینک دینا چاہئے۔ (صحیح البخاری:۳۳۲۰)
تمام حشرات الارض کیڑوں مکوڑوں کا یہی حکم ہے جن میں بہنے والا خون نہیں ہے خواہ وہ پانی میں مر بھی جائیں تو پانی ناپاک نہیں ہوتا۔(دیکھئے کتاب الطہور للامام ابی عبید القاسم بن سلام تحت ح ۱۹۰)
۳: وہ پانی جو خود پاک ہے مگر پاک کرنے والا نہیں ہے۔
نبیذ: یہ پانی اور کھجوروں سے بنائی جاتی ہے۔ پانی بھی پاک ہے کھجوریں بھی پاک ہیں مگر جب ان دونوں کو اکٹھا کیا جائے تو وہ نبیذ بن جاتی ہے۔ جو خود تو پاک ہے اسے پیا جا سکتا

ہےمگر وہ پاک کرنے والی نہیں ہے کیونکہ پانی اب اپنی اصل حالت میں باقی نہیں رہا۔
امام بخاری نے باب قائم کیا ہے کہ ''نبیذ کے ساتھ وضو جائز نہیں ہے'' (صحیح البخاری قبل ح ۲۴۲)
امام عطاء دودھ اور نبیذ سے وضو کرنے کو ناپسند سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''ان سے وضو کرنے کی بنسبت تیمّم مجھے زیادہ پسند ہے۔'' (ابوداود:۸٦ وھو صحیح)
ابوخلدہ نے کہا کہ میں نے ابوالعالیہ (تابعی) سے پوچھا کہ ''ایک آدمی جنبی ہوگیا اس کے پاس پانی نہیں مگر نبیذ ہے، کیا وہ نبیذ سے غسل کرے؟ تو انھوں نے فرمایا: نہیں۔''
(ابوداود:۸۷ وسندہ صحیح)
قرآن مجید میں پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کرنے کا ذکر ہے نہ کہ نبیذ سے وضو کرنے کا۔
تنبیہ: نشہ دینے والی نبیذ ((كُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) کی رو سے حرام ہے۔
٤: وہ پانی جو ناپاک ہے:
ا۔ وہ پانی جو نجاست کی وجہ سے رنگ، بو اور ذائقہ تبدیل کر چکا ہو۔
۲۔ کتے کا جھوٹا پانی: سیدنا عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر کتا کسی کے برتن میں پانی (وغیرہ) پی لے تو برتن کو سات بار دھوڈالے اور پہلی بار مٹی سے مانجھے۔'' (صحیح مسلم:۲۷۹)
بعض روایتوں میں آخری بار مٹی سے مانجھنے کا ذکر آیا ہے لہٰذا دونوں طرح صحیح ہے۔
جس برتن (میں کتے نے منہ مارا ہے اس) میں اگر پانی (وغیرہ) ہو تو اسے بہا دینا چاہئے۔
(صحیح مسلم:۲۷۹، صحیح ابن خزیمہ:۹۸ وتبویب)
اسی طرح وہ جانور جو نجس العین ہو اس کا جھوٹا بھی ناپاک ہے مثلاً خنزیر۔ (صحیح ابن خزیمہ قبل ح ۱۰۲)
تنبیہ: اگر ناپاک پانی کپڑوں، جگہ یا بدن کو لگ جائے تو کپڑے، جگہ اور بدن ناپاک ہو جاتے ہیں ان کو پانی سے دھویا جائے پھر نماز پڑھی جائے۔
٥: پانی سے استنجا کرنا
سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قضائے حاجت

کے لئے باہر جاتے تو میں اور ایک بچہ پانی کا ڈول اٹھاتے، آپ ﷺ اسی سے استنجا کرتے۔'' (صحیح البخاری:۱۵۰، ۱۵۲، صحیح مسلم:۲۷۰)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت الخلا (استنجا کرنے کے لئے) گئے، ایک برتن میں پانی لایا گیا، آپ نے استنجا کیا پھر ایک اور برتن میں پانی لایا گیا آپ نے (اس سے) وضو کیا۔ (ابوداود:۴۵ وسندہ حسن)

معلوم ہوا کہ استنجا کے لئے علیحدہ اور وضو کے لئے علیحدہ برتن استعمال کرنا چاہئے۔

چند اہم فوائد قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ مٹی کے ڈھیلے سے بھی استنجا کرنا صحیح ہے۔ (صحیح البخاری:۱۵۵)

۲۔ رسول اللہ ﷺ نے تین (ڈھیلوں) سے استنجا کرنے کا حکم دیا۔

(صحیح مسلم:۲۶۲، ابوداود:۷ وسندہ صحیح)

(اس سے استدلال کرتے ہوئے) پانی بھی تین مرتبہ استعمال کرنا چاہئے کیونکہ یہ بھی پاکی حاصل کرنے میں ڈھیلے کے قائم مقام ہے یا پھر جس طرح ڈھیلے طاق استعمال کئے جاتے ہیں تو اسی طرح پانی بھی طاق مرتبہ استعمال کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم

۳۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ ''اگرچہ ڈھیلوں سے استنجا کرنا جائز ہے تاہم (بعض علماء) سفیان ثوری، ابن المبارک، شافعی، احمد اور اسحاق (بن راہویہ) کے نزدیک پانی سے استنجا کرنا مستحب اور افضل ہے۔'' (ترمذی ۱/۱۱ح ۱۹ درسی ط: ایچ ایم سعید کراچی)

نیز فرماتے ہیں کہ ''صحابۂ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اور بعد کے اکثر علماء کا یہی خیال ہے کہ صرف ڈھیلوں سے استنجا کرنا جائز ہے اگرچہ ان کے بعد پانی استعمال نہ کریں بشرطیکہ پیشاب اور پاخانے کا اثر خوب زائل ہو جائے اور یہی قول سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، شافعی، احمد اور اسحاق بن راہویہ کا ہے۔'' (ترمذی ۱/۱۰ح ۱۵)

۴۔ استنجا کرنے کے لئے پانی ساتھ لے جانا چاہئے۔ (صحیح البخاری:۱۵۱)

۵۔ عام نجاستوں کو صرف پانی سے پاک کیا جاتا ہے۔ دیکھئے الصحیحۃ (۱/۲۹۹، ۳۰۰)

٦: پیشاب پر پانی بہا دینے سے جگہ پاک ہو جاتی ہے۔

ایک اعرابی نے مسجد کے کونے میں پیشاب کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''پانی کا ڈول اس (پیشاب) پر بہا دو۔'' (صحیح البخاری:۲۱۹)

۷: بچہ اگر پیشاب کر دے۔

ا۔ اگر دودھ پیتا بچہ کپڑوں پر پیشاب کر دے تو اس پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں۔

سیدہ ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا اپنا چھوٹا بیٹا جو ابھی کھانا نہیں کھاتا تھا، رسول اللہ ﷺ کے پاس لائیں۔ آپ ﷺ نے اس کو اپنی گود مبارک میں بٹھا لیا تو اس بچے نے آپ ﷺ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ نے پانی منگوایا اور اس پر چھینٹے مارے، اس کو دھویا نہیں۔ (صحیح البخاری:۲۲۳، صحیح مسلم:۲۸۷)

۲۔ اگر بچی کپڑوں پر پیشاب کر دے تو اسے پانی سے دھویا جائے۔

سیدہ لبابہ بنت حارث رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (سیدنا) حسین بن علی رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کی گود مبارک میں پیشاب کر دیا۔ میں نے کہا: کوئی اور کپڑا پہن لیں اور تہبند مجھے دے دیں تاکہ میں دھو ڈالوں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''لڑکی کا پیشاب دھویا جاتا ہے اور لڑکے کے پیشاب پر چھینٹے مارے جاتے ہیں۔'' (ابوداود:۳۷۵، ابن ماجہ:۵۲۲، حسن)

۸: جب مرد یا عورت ناپاک ہو جائیں تو (غسل کے ذریعے سے) پانی سے ہی طہارت حاصل کی جاتی ہے اور ہر طرح کی نجاست کو پانی سے ہی دور کیا جاتا ہے۔

تنبیہ: پانی کی عدم موجودگی میں یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے اگر پانی استعمال نہ کرنا ہو تو پھر نجاست یا جنابت کو پاک کرنے کے لئے مٹی سے کام لیا جائے گا۔ (النسآء:۴۳)

۹: کھڑے پانی میں پیشاب کرنا منع ہے۔ (صحیح البخاری:۲۳۸)

ایسے پانی (جس میں پیشاب کیا گیا ہو) سے نہ وضو کرنا صحیح ہے اور نہ اسے پینا ہی صحیح ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ:۹۴)

۱۰: کھڑے پانی میں جنبی آدمی کا نہانا منع ہے۔ (صحیح مسلم:۲۸۳)

البتہ پانی الگ لے کر نہانا صحیح ہے۔

۱۱ : اگر آدمی سو کر اٹھے تو ہاتھوں کو پانی (کے برتن) میں داخل کرنے سے پہلے الگ پانی لے کر دھو لینا چاہئے کیونکہ اسے پتا نہیں کہ ہاتھوں نے رات کہاں گزاری ہے۔

(صحیح البخاری:۱۶۲،صحیح مسلم:۲۷۸)

۱۲ : پانی میں خود بخود مچھلی مرجائے تو وہ حلال ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''دریائی اور سمندری پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردار (مچھلی) حلال ہے۔'' (موطأ امام مالک:۱۲،ابوداود:۸۳ وسندہ صحیح)

ہمارے استاد حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی میں خود بخود مرنے والی مچھلی حلال ہے یہی مسلک سیدنا ابوبکر الصدیق (رضی اللہ عنہ) اور جمہور علمائے اسلام کا ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری'' **کتاب الذبائح والصید باب قول اللہ تعالیٰ: أحل لکم صید البحر** ''(قبل ح ۵۴۹۳) وفتح الباری ج۹ ص ۶۱۸ وغیرہما، اس مسلک کے خلاف کوئی دلیل ثابت نہیں ہے۔''

(تسہیل الوصول الی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول ص ۴۲ حاشیہ:۳، نیز دیکھئے الصحیحۃ ح ۴۸۰)

۱۳ : وضو کے پانی والے برتن کو ڈھانپنا چاہئے اور اس کے منہ کو باندھنا چاہئے۔

(مسند احمد ۲/ ۳۶۷ وسندہ صحیح)

۱٤ : غسل بھی پانی ہی سے کیا جاتا ہے۔

۱۵ : عیسائیوں کے گھر کے پانی سے وضو کرنا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نصرانیہ عورت کے گھر سے وضو کیا۔ (صحیح البخاری قبل ح ۱۹۳ تعلیقاً بالجزم تغلیق التعلیق علیٰ صحیح البخاری ۲/ ۱۳۱، ۱۳۲ وفتح الباری ۱/ ۲۹۹) [تنبیہ: اس کی سند منقطع ومعلول ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔/ ز ع]

۱٦ : ستو کھا کر اگر نماز پڑھنی ہو تو پانی سے کلی کرنی چاہئے۔ (صحیح البخاری:۲۰۹)

۱۷ : دودھ پی کر بھی پانی سے کلی کرنی چاہئے۔ (صحیح البخاری:۲۱۱)

امام ابن خزیمہ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے کہ ''دودھ پی کر کلی کرنا مستحب ہے

تا کہ چکناہٹ ختم ہو جائے اور یہ واجب نہیں ہے۔'' (صحیح ابن خزیمہ قبل ح ۴۷)

۱۸ : اگر آدمی بے ہوش ہو جائے تو اس پر پانی کے چھینٹے مارے جائیں۔ (صحیح البخاری:۱۹۴)

۱۹ : روزہ پانی سے افطار کرنا بھی صحیح ہے۔ (صحیح البخاری:۱۹۵۶)

۲۰ : دودھ میں پانی ملا کر پینا جائز ہے۔ (صحیح البخاری:۵۶۱۲)

۲۱ : میٹھا پانی یعنی شربت پینا رسول اللہ ﷺ کا محبوب عمل تھا۔ (صحیح البخاری:۵۶۱۱) تفصیل کے لئے دیکھئے فتح الباری (۹۲/۱۰)

۲۲ : رات کا پڑا ہوا (باسی) پانی پینا بھی درست ہے۔ (صحیح البخاری:۵۶۲۱)

۲۳ : زائد پانی سے مسافر کو نہیں روکنا چاہئے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ '' تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا نہ ان کو پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ ایک وہ آدمی جس کے راستے میں پانی اضافی ہے (لیکن) اس نے مسافر کو پانی (پینے یا استعمال کرنے) سے روک دیا...'' (صحیح البخاری:۲۳۵۸)

۲۴ : زائد پانی کو بیچنا ممنوع ہے۔ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے زائد پانی کو بیچنے سے منع فرمایا۔'' (صحیح مسلم:۱۵۶۵)

۲۵ : جس کی زمین پانی کے قریب ہوگی وہ پہلے اپنی زمین کو سیراب کرے گا پھر دور زمین والے کا حق ہے۔ (صحیح البخاری:۲۳۶۱)

۲۶ : کھیت والے کو اپنے کھیت میں اتنا پانی روکنے کا حق حاصل ہے کہ پانی منڈیروں تک پہنچ جائے۔ (صحیح البخاری:۲۳۶۱)

۲۷ : اگر کنواں کھودتے ہوئے منڈیر کے گرنے کی وجہ سے آدمی مر گیا تو اس کی چٹی اور دیت کنوئیں کے مالک پر نہیں بلکہ یہ چٹی معاف ہے۔ (صحیح البخاری:۲۳۵۵)

۲۸ : بخار کو پانی سے ٹھنڈا کیا جا سکتا ہے۔ (صحیح البخاری:۵۷۲۵)

۲۹ : پانی اور بیری کے پتے چمڑے کو پاک کر دیتے ہیں۔ (سنن ابی داود:۴۱۲۶ وسندہ حسن)

۳۰: گوشت پکاتے وقت پانی زیادہ ڈالنا چاہئے تاکہ سالن ہمسایوں کو بھی دیا جاسکے۔
(صحیح مسلم: بعد ح ۲۶۲۵ وترقیم دارالسلام: ۶۶۸۹)

۳۱: یہ اونٹنیوں کا حق ہے کہ اونٹنیوں کا دودھ پانی کے (چشموں، کنوؤں کے) قریب نکالا جائے۔ (صحیح البخاری: ۲۳۷۸)
تاکہ وہاں پر موجود مساکین وغیرہ کو دودھ دیا جاسکے۔ (فتح الباری ۶۳/۵)

۳۲: دم کرکے پانی پر پھونکنا۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پینے والی چیز میں پھونک مارنے سے منع کیا، ایک آدمی نے کہا کہ اگر برتن میں تنکا دیکھوں تو؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو بہادے۔'' (سنن الترمذی: ۱۸۸۷، وقال: ''حسن صحیح'' وسندہ صحیح، الموطأ ۹۲۵/۲ ح ۱۷۸۳)

۳۳: حائضہ عورت کا جھوٹا پانی پاک ہے اور پاک کرنے والا ہے۔ (صحیح ابن خزیمہ: ۱۱۰)

۳٤: اگر کھیتی آسمانی پانی سے پکی ہے تو اس میں عشر ہے اگر نہری یا ٹیوب ویل وغیرہ کے پانی سے سیراب ہوئی ہے تو اس میں نصف عشر ہے۔

سالم بن عبداللہ بن عمر اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، انھوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو زمین آسمانی بارش اور چشموں سے سیراب ہوتی ہو یا رطوبت والی ہو اس میں دسواں حصہ زکوٰۃ ہے (عشر ہے) اور جو زمین پانی کھینچ کر سیراب کی جاتی ہو اس میں بیسواں حصہ (نصف عشر) ہے۔ (صحیح البخاری: ۱۴۸۳)

دارالسلام کی مطبوعہ بلوغ المرام میں لکھا ہوا ہے کہ ''اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زمین کو مختلف ذرائع ووسائل سے سیراب کرنے کی صورت میں زکوٰۃ (عشر) کی نوعیت بھی مختلف ہے۔ مثلاً جو زمین مشقت طلب ذریعے سے سیراب ہو جیسے اونٹ، بیل یا آدمی پانی نکال کر یا لاکر سیراب کرتے ہوں تو اس زمین کی پیداوار پر نصف عشر (بیسواں) حصہ ہے۔ اسی طرح اگر زمین کنویں کے پانی، ٹیوب ویل کے پانی سے یا پانی خرید کر سیراب کی جاتی ہو جیسے نہر کا پانی، ٹیوب ویل کا پانی خرید کر سیراب کی جاتی ہے تو ایسی صورت میں بھی نصف

عشر (بیسواں) حصہ ہے آج کل آبیانہ دے کر زمین سیراب کی جاتی ہے۔ یہ آبیانہ مشقت ومحنت کا قائم مقام ہے لہٰذا موجودہ نظام کے تحت نہری پانی سے سیراب کی جانے والی زمینوں کی پیداوار میں بھی بیسواں حصہ ہے۔'' (بلوغ المرام ۱/۴۰۴۔۴۰۵ اردو)

نہری پانی سے سیراب ہونے والی فصل پر بھی نصف عشر ہے، یہی حق ہے اور میرے استاد حافظ شریف حفظہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

۳۵: پانی پینے کے آداب۔

۱۔ پانی پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھی جائے۔ (الاوسط للطبرانی ۲/۳۵۱)

۲۔ پانی دائیں ہاتھ سے پیا جائے۔ (صحیح مسلم: ۲۰۲۰)

۳۔ پانی تین سانسوں میں پیا جائے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پینے کی چیز (مشروب) تین سانسوں میں پیتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۱، صحیح مسلم: ۲۰۲۸) یعنی پانی پیتے وقت تین بار سانس لیا جائے اور پھر سانس برتن سے منہ ہٹا کر لینا چاہئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن میں سانس لینے سے منع فرمایا ہے۔ (صحیح البخاری: ۵۶۳۰، صحیح مسلم: ۲۶۷)

۴۔ پانی بیٹھ کر پیا جائے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا ہے۔ قتادہ نے کہا کہ ہم نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کھڑے ہو کر کھانا کھانے کا کیا حکم ہے؟ انھوں نے کہا: یہ تو سب سے بدتر یا سب سے زیادہ خبیث (عمل) ہے۔
اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پانی پینے سے سختی سے منع فرمایا ہے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۴)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میں سے کوئی شخص ہرگز کھڑے ہو کر نہ پیئے اور جو بھول کر پی لے تو اسے چاہئے کہ قے کر دے۔
(صحیح مسلم: ۲۰۲۶)

علامہ نووی نے ان دونوں احادیث پر باب قائم کیا ہے کہ'' کھڑے ہوکر پانی پینا مکروہ ہے۔''

اہم فائدہ: یاد رہے کہ عام اور اکثر محدثین کی یہ عادت مبارکہ ہے کہ وہ اپنی کتاب میں ابواب خود قائم کرتے ہیں مگر امام مسلم نے محدثین کے طریقہ سے ہٹ کر اپنی کتاب صحیح مسلم میں خود ابواب بندی نہیں کی بلکہ مختلف علماء نے کی ہے جن میں علامہ نووی بھی ہیں۔صحیح مسلم مع شرح النووی کا وہ متداول نسخہ جو مدارس دینیہ میں پڑھایا جاتا ہے۔اس میں ابواب اور عنوان علامہ نووی کے قائم کردہ ہیں اس بات کی صراحت درج ذیل علماء نے کی ہے:

۱۔ علامہ نووی (مقدمہ شرح صحیح مسلم للنووی ۱/۲ طدرسی)

۲۔ ڈاکٹر صبحی صالح (علوم الحدیث ص۱۵۵،اردو)

۳۔ محدث العصر شیخنا ارشاد الحق الاثری حفظہ اللہ (ہفت روزہ الاعتصام ج۵۸ شمارہ۳۰ ص۱۸)

۴۔ ہمارے استاد محترم حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ (نصر الباری ص۱۴۱)

[تنبیہ: کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع والی روایات دوسرے دلائل کی رُو سے منسوخ ہیں یا کراہت وغیر اَولیٰ پر محمول ہیں۔/ زع]

۳۶: بعض صورتوں میں کھڑے ہوکر پانی پینا جائز ہے۔

۱۔ آبِ زمزم کھڑے ہوکر پینا

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمزم کا پانی پلایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے نوش فرمایا حالانکہ آپ (سواری پر) کھڑے تھے۔

(صحیح البخاری: ۱۶۳۷،صحیح مسلم: ۲۰۲۷ علامہ نووی نے اس پر باب قائم کیا ہے کہ آب زمزم کھڑے ہوکر پینا)

[مکہ سے مختلف اور دور دراز علاقوں میں زم زم لے کر جانا بالکل جائز ہے۔دیکھئے سنن الترمذی (۹۶۳ وسندہ صحیح) لیکن یہ زم زم دوسرے علاقوں میں لے جا کر کھڑے ہوکر یا قبلہ رخ ہوکر پینا قطعاً ثابت نہیں ہے۔]

۲۔ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہوکر پینا

نزال (بن سبرہ) سے روایت ہے،فرماتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ (مسجد کوفہ میں)

بڑے چبوترے کے دروازے سے تشریف لائے اور کھڑے ہو کر پانی پیا، پھر فرمایا: ''بعض لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو ناپسند سمجھتے ہیں حالانکہ بلاشبہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح (پانی پیتے ہوئے) دیکھا ہے، جس طرح تم نے مجھے دیکھا کہ میں نے کیا۔'' (صحیح البخاری: ۵۶۱۵)

یہ وضو کا بچا ہوا پانی تھا جس طرح کہ صحیح بخاری (۵۶۱۶) میں وضاحت ہے۔

امام بخاری نے عام پانی پینا مراد لیا ہے خواہ وہ زمزم ہو یا عام پانی۔

۳۔ اگر پانی کا برتن لٹکا ہوا ہے تو بھی کھڑے کھڑے پانی پینا جائز ہے۔

سیدہ ام ثابت کبشہ بنت ثابت، ہمشیرۂ حسان بن ثابت رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور آپ نے کھڑے کھڑے ایک لٹکے ہوئے مشکیزے کے منہ سے پانی پیا پس میں اٹھی اور اس کے منہ والے حصے کو میں نے (بطورِ تبرک رکھنے کے لئے) کاٹ لیا۔ (سنن الترمذی: ۱۸۹۲ وقال: حسن صحیح، وسندہ حسن)

۴۔ بغیر کسی مجبوری کے بعض دفعہ کھڑے کھڑے پانی پینا

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ہم نبی ﷺ کے زمانے میں چلتے پھرتے کھا لیتے اور کھڑے کھڑے پانی (بھی) پی لیتے تھے۔ (سنن الترمذی: ۱۸۸۰، صحیح)

عمرو بن شعیب اپنے والد (شعیب) سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے (دونوں طرح پانی وغیرہ) پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ (سنن الترمذی: ۱۸۸۳ وسندہ حسن)

امام ترمذی نے ان حدیثوں پر باب باندھا ہے کہ ''کھڑے ہو کر پانی پینے میں رخصت ہے۔''

علامہ نووی نے مذکورہ احادیث پر باب قائم کیا ہے کہ ''کھڑے کھڑے پانی پینے کا جواز اور بیٹھ کر پینے کے افضل ہونے کا بیان'' (ریاض الصالحین ۱/۶۲۵ ط/ دارالسلام، اردو)

حافظ ابن حجر نے اس موقف (جن احادیث میں کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، ان کو کراہت تنزیہی پر محمول کیا جائے گا) کو سب سے اچھا قرار دیا ہے۔

(فتح الباری ۱۰/۸۶۔۸۷)

حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ لکھتے ہیں کہ ''ابتداء میں (ریاض الصالحین میں وارد شدہ احادیث کی ترتیب پر از ناقل) ذکر کردہ احادیث سے اگرچہ کھڑے پانی پینے اور کھانے کا جواز ملتا ہے لیکن ان پر عمل صرف بوقت ضرورت (یا مجبوری) ہی کیا جا سکتا ہے ورنہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو بیٹھ کر ہی کھایا پیا جائے، یہی افضل عمل ہے۔ آج کل دعوتوں میں کھڑے کھڑے کھانے کا رواج عام ہو گیا ہے۔ لوگ کہتے ہیں اس میں سہولت ہے کہ بیک وقت سارے لوگ فارغ ہو جاتے ہیں لیکن دوسری طرف اس کی قباحتوں کو، جو اس ایک سہولت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہیں، نہیں دیکھتے۔ اس میں **ایک** تو مغرب کی نقالی ہے جو حرام ہے، **دوسرے** نبی کریم ﷺ نے کھڑے کھڑے ہو کر کھانے پینے سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے **تیسرے** اس میں جو بھگدڑ مچتی ہے وہ کسی باوقار اور شریف قوم کے شایان شان نہیں ۔ **چوتھے** اس میں ڈھور ڈنگروں کے ساتھ مشابہت ہے، گویا اشرف المخلوقات انسانوں کو ڈھور ڈنگروں کی طرح چارہ ڈال کر کھول دیا جاتا ہے، پھر جو طوفان بدتمیزی برپا ہوتا ہے، اس پر جانور بھی شاید شرما جاتے ہوں۔ **پانچویں**، انسان نما جانوروں کو باڑے یا اصطبل میں جمع کرنے کے لئے وقت پر آنے والوں کو نہایت اذیت ناک انتظار کی زحمت میں مبتلا رکھا جاتا ہے جس سے ان کا قیمتی وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور انتظار کی شدید مشقت بھی برداشت کرنا پڑتی ہے۔ **ششم** اس انتظار کی گھڑیوں میں یا تو فلمی ریکارڈنگ سننے پر انسان مجبور ہوتا ہے یا بھانڈ میراثیوں کی جگتیں یا میوزک کی دھنیں سننے پر۔ **ہفتم** یہ کہ اس طرح کھانا ضائع بھی بہت ہوتا ہے، بہرحال دعوتوں میں کھڑے کھڑے کھانے کا رواج یکسر غلط ہے اور مذکورہ سارے کام بھی شیطانی ہیں۔ اس لئے دعوتوں کا یہ انداز بالکل ناجائز اور حرام ہے۔ اس کے جواز کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ (ریاض الصالحین ۱/۶۲۷، اردو)

۳۷: پانی پینے کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرنی چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے راضی ہوتا ہے جو کھانا کھانے یا مشروب

(پانی وغیرہ) پینے کے بعد اللہ کی حمد بیان کرتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۷۳۴)

۳۸: سونے اور چاندی کے برتن میں نہ پیا جائے۔ (صحیح البخاری:۵۶۳۳، صحیح مسلم:۲۰۶۷)

۳۹: اگر پانی میں تنکا پڑا ہو تو اسے پھونک مار کر نہ گرائیں بلکہ برتن ٹیڑھا کر کے اسے بہادیں۔ (سنن الترمذی:۱۸۸۷ وسندہ صحیح)

۴۰: پانی پلانے کے آداب

پانی پلانا بڑا اچھا عمل ہے اور اس میں بہت ثواب ہے۔

ایک آدمی نے پیاسے کتے کو پانی پلایا تھا، اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو معاف کردیا۔ (صحیح البخاری:۲۳۶۳)

جب جانوروں کو پانی پلانے کی اتنی فضیلت ہے تو پھر اشرف المخلوقات انسانوں کو پانی پلانے کی کیا فضیلت ہوگی؟

۱۔ پانی پہلے دائیں طرف والے آدمی کو پلایا جائے۔ (صحیح البخاری:۵۶۱۹)

۲۔ پانی کا برتن دائیں ہاتھ سے دیا جائے اور دائیں ہاتھ سے ہی پکڑا جائے۔ (صحیح مسلم:۲۰۲۰)

۳۔ پانی پلانے والا سب سے آخر میں پیئے۔ (صحیح مسلم:۶۸۱)

۴۔ پانی پلانے والے کو یہ دعا دی جائے '' **اللھم اطعم من أطعمني و اسقِ من سقاني** '' (صحیح مسلم:۲۰۵۵)

بعض لوگ بعض خاص دنوں میں پانی کی سبیلیں لگاتے ہیں یہ بدعت ہے، اس سے بچا جائے۔

محمد صدیق رضا

غیر ثابت قصے

انتالیسواں (۳۹) قصہ: نبی کریم ﷺ اور آپ کے چچا ابو طالب کا قصہ:

یعقوب بن عتبہ بن المغیرہ سے روایت ہے کہ
قریش نے جب ابو طالب سے یہ بات کہی تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی طرف قاصد بھیجا (جب آپ تشریف لائے تو) چچا نے کہا: اے میرے بھتیجے! آپ کی یہ قوم میرے پاس آئی اور مجھ سے ایسا ایسا کہا۔
آپ اپنے آپ پر اور مجھ پر رحم کیجئے، مجھ پر ایسا بوجھ نہ ڈالئے کہ جسے میں اٹھا نہ سکوں....تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''يا عماه، لو وضعوا الشمس في يميني والقمر في يساري على أن أترك هذا الأمر حتّى يظهره اللّٰه اَو أهلك فيه ماتركته ''

اے چچا، اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند لا رکھیں کہ میں اس دعوت کو چھوڑ دوں تو میں کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ الخ

ان الفاظ کے ساتھ تو اس کی کوئی سند بھی نہیں ہے۔ (فوزی) [ضعيف جدًا]

تخریج: ابن جریر نے التاریخ (ج ۱ص ۵۴۵) ابن اسحاق نے السیرۃ (ج ۱ص ۲۷۸) اور بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج ۲ص ۱۸۷) میں یعقوب سے یہ روایت بیان کی ہے۔

جرح: اس کی سند (منقطع ہونے کی وجہ سے) ہلاک کر دینے والی ہے، معضل ہے۔
یعقوب (حافظ ابن حجر کے نزدیک) طبقۂ سادسہ میں سے ہیں، کسی صحابی کو انھوں نے نہیں پایا۔

حوالہ: دیکھئے تقریب التہذیب (ص ۶۰۸)

البانی نے ''سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ'' (ج ۲ص ۳۱۰) میں اسے ضعیف قرار دیا ہے۔

یہ قصہ طبرانی نے المعجم الکبیر (ج ۱ص ۱۹۲) اور المعجم الاوسط (ج ۸ص ۲۵۲، ۲۵۳ح ۸۵۴۸) میں بیہقی نے دلائل النبوۃ (ج ۲ص ۱۸۶) اور ابویعلیٰ نے اپنی مسند (بتحقیق ارشاد الحق الاثری: ۶۷۷۱، علامات النبوۃ للبوصیری ص ۸۵) بخاری نے التاریخ الکبیر (ج ۷ ص ۵۱) [حاکم نے المستدرک ۳/ ۵۷۷ ح ۶۴۶۷، البزار نے البحر الزخار ۶/ ۱۱۵ ح ۲۱۷۰] میں ''طلحة بن یحیی عن موسی بن طلحة :ثنا عقیل بن أبي طالب'' کی سند سے بیان کیا۔

اور اس میں ان الفاظ ''لو وضعوا الشمس في یمیني والقمر في یساري علٰی أن أترك ھٰذا الأمر ...'' کے بجائے یہ الفاظ ہیں:

''أترون ھٰذا الشمس ؟ قالوا :نعم، قال فما أنا بأقدر علٰی أن أدع ذلك منکم علٰی أن تستشعلوا منھا شعلة'' کیا تم یہ سورج دیکھ رہے ہو؟ انھوں نے کہا: جی ہاں، تو آپ نے فرمایا: میں تمھارے مقابلہ میں اس دعوت کو چھوڑ دینے پر ایسے ہی قادر نہیں جیسے تم اس سورج سے ایک شعلہ لے آنے پر قادر نہیں!

اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اس میں طلحہ بن یحییٰ بن طلحہ القرشی ہے محدثین نے اس پر کلام کیا ہے، اس سے متعلق یحییٰ القطان نے فرمایا: یہ قوی نہیں تھا، امام بخاری نے فرمایا: منکر الحدیث تھا، یحییٰ بن معین نے فرمایا: یہ قوی نہیں اور ایک بار فرمایا: ثقہ ہے، نسائی نے کہا: یہ قوی نہیں اور ایک بار ''صالح'' بھی کہا۔ یعقوب بن سفیان نے کہا: معزز آدمی ہے، اس میں کوئی ایسی بات نہیں، اس کی حدیث میں کچھ ضعف ہے، الساجی نے کہا: صدوق تھا لیکن قوی نہ تھا، ابن حجر نے فرمایا: صدوق ہے خطائیں کرتا تھا۔ ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا اور کہا کہ یہ غلطیاں کرتا تھا اور عقیلی نے الضعفاء الکبیر میں اسے ذکر کیا۔ فوزی کہتے ہیں: اس طرح کے راوی جو غلطیاں کرتے ہیں، وہم ہوتا ہے تو جب یہ کسی روایت میں اکیلے ہوں تو ان سے حجت نہیں لی جاتی، اسی لئے امام بخاری نے اس سے روایت نہیں لی۔ فتنبه [تنبیہ: طلحہ بن یحییٰ صدوق حسن الحدیث راوی ہے، جمہور محدثین نے اس کی توثیق کی ہے۔

دیکھئے تہذیب التہذیب بحاشیتی وتحریر تقریب التہذیب: ۳۰۳۶ لہٰذا اس پر فوزی کی جرح مردود ہے۔ یہ روایت حسن لذاتہ ہے اور فوزی کا اسے ضعیف قرار دینا غلط ہے۔ زبیر علی زئی]
حوالے: دیکھئے تہذیب الکمال (ج۱۳ ص ۴۴۱) تقریب التہذیب (ص ۲۸۳) الضعفاء الکبیر للعقیلی (ج۲ ص ۲۲۶) ابن حبان کی الثقات (ج۶ ص ۴۷۸) ابن الجوزی کی الضعفاء (ج۲ ص ۶۶) ذہبی کی المغنی فی الضعفاء (ج۱ ص ۳۱۷) اور علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج۶ ص ۱۵) میں اسے ذکر کیا اور فرمایا: اسے طبرانی نے ''الاوسط'' اور ''الکبیر'' میں اور ابو یعلیٰ نے معمولی سے اختصار کے ساتھ روایت کیا اور ابو یعلیٰ کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

چالیسواں (۴۰) قصہ: سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے گھر جلنے کا قصہ:

طلق بن حبیب نے روایت کی کہ ایک شخص سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: اے ابو درداء! آپ کا گھر جل گیا۔ آپ نے جواب دیا: میرا گھر نہیں جلا پھر دوسرا شخص آیا اور کہا: میں آگ کے پیچھے رہا، جب آگ آپ کے گھر تک پہنچی تو بجھ گئی۔ ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مجھے معلوم تھا کہ یقیناً اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرنے والا۔ تو ایک شخص نے کہا:
اے ابو درداء! مجھے نہیں معلوم آپ کی دونوں باتوں میں سے کس بات پر تعجب کروں! آپ کا یہ کہنا کہ ''میرا گھر نہیں جلا'' یا آپ کا یہ کہنا کہ ''میں جانتا تھا یقیناً اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرنے والا''؟ تو ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ چند کلمات ہیں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن رکھے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''من قالهن حين يصبح لم تصبه مصيبةٌ حتى يمسي ، ومن قالهن حين يمسي لم تصبه مصيبة حتى يصبح :اللهم أنت ربي لا إله إلا أنت ، عليك توكلت، وأنت رب العرش العظيم ....''

جو کوئی یہ کلمات صبح کے وقت کہے تو شام تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی اور جو کوئی شام کے وقت کہے تو صبح تک اسے کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی، (وہ کلمات یہ

ہیں)اللھم أنت ربي...''اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے علاوہ کوئی الہ نہیں، میں نے تجھ ہی پر توکل کیا، اور تو عرش عظیم کا رب ہے....''

(اس کی سند انتہائی کمزور ہے)

تخریج: طبرانی نے الدعاء (ج۲ص۹۵۴) ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ (ص۳۰) اور الخرائطی نے مکارم الاخلاق (ج۲ص۴۰۱) اور ابن حجر نے نتائج الافکار (ج۲ص۴۰۱) میں ''**هدبة بن خالد :ثنا الأغلب بن تميم :ثنا الحجاج بن فرافضة عن طلق ابن حبيب**'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا۔

جرح: اس کی سند بالکل ضعیف ہے اس میں الاغلب بن تمیم ہے جس کے متعلق بخاری نے فرمایا: ''یہ منکر الحدیث ہے۔'' ابن معین نے فرمایا: ''یہ کچھ بھی نہیں'' ابن عدی نے فرمایا: ''اس کی روایات غیر محفوظ ہیں۔'' ابن حجر نے فرمایا: ''سخت ضعیف ہے۔''

حوالے: دیکھئے میزان الاعتدال (ج۱ص۲۷۳) اور ابن حجر نے فرمایا: ''یہ حدیث غریب ہے۔'' اور ابن السنی نے عمل الیوم واللیلۃ (ص۳۱) میں ابن حجر نے نتائج الافکار (ج۲ ص۴۰۳) میں اور الحارث نے اپنی مسند (ص۳۱۵۔الزوائد) میں ''**يزيد بن هارون أخبرنا معان أبو عبدالله :حدثنا رجل عن الحسن**'' کی سند سے یہ قصہ بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے...الخ یہ سند بھی پچھلی سند کی طرح ضعیف ہے، اس میں دو علتیں ہیں:

پہلی علت: معان ابوعبداللہ کا مجہول ہونا۔

دوسری علت: حسن سے روایت کرنے والے راوی کا مجہول ہونا۔

دیکھئے عراقی کی ''ذیل المیزان'' (ص۴۲۳) اور ابن حجر نے فرمایا یہ سند الرجل کے مبہم ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

تنبیہ: ابن حجر کے ہاں ''معاذ بن عبداللہ'' واقع ہوا ہے یہ تصحیف ہے صحیح یہی ہے جو ہم نے لکھا ہے۔

اکتالیسواں (۴۱) قصہ: دو روزہ دار خواتین کا قصہ:

رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام عبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انھوں نے فرمایا: کہ دو خواتین روزہ سے تھیں اور لوگوں کی غیبت کر رہی تھیں، رسول اللہ ﷺ نے ایک برتن منگوایا اور ان دونوں سے فرمایا: تم دونوں (اس میں) قے کرلو۔ پس اُن دونوں نے کردی۔ (اُن کی قے میں) پیپ، خون اور کچا گوشت تھا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ان دو عورتوں نے حلال سے روزہ رکھا اور حرام سے افطار کیا۔　(منکر روایت ہے۔)

تخریج: یہ روایت ابویعلیٰ نے اپنی مسند (ج ۳ ص ۱۴۷) اور المفاريد (ص ۸۷) میں اور ابن الاثیر نے اسد الغابۃ (ج ۳ ص ۵۳۸) میں '' **حماد بن سلمة عن سليمان التيمي عن عبيد** '' کی سند سے بیان کی۔

جرح: اس کی یہ سند انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔

ابن عبدالبر نے الاستیعاب (ج ۷ ص ۱۱۳) میں فرمایا: عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے سلیمان التیمی نے روایت کیا جبکہ انھوں نے ان سے کچھ نہیں سنا ان کے درمیان کوئی اور شخص ہے۔

جس سند کی طرف ابن عبدالبر نے اشارہ فرمایا ہے وہ احمد نے اپنی مسند (ج ۵ ص ۴۳۱) میں اور ابن ابی الدنیا نے ''الغیبۃ'' (ص ۴۹) اور ''الصمت'' (ص ۳۰۶) میں مختلف اسناد کے ساتھ ''**سليمان التيمي عن رجل عن عبيد**'' سے بیان کیا۔

اس کی سند بھی ضعیف ہے اس میں ''رجل''، شخص کا نام نہیں لیا گیا۔ علامہ عراقی نے تخریج احیاء العلوم میں (ج ۳ ص ۱۴۲) میں فرمایا: ''اسے احمد نے عبید مولیٰ رسول اللہ ﷺ سے روایت کیا اس کی سند میں ایک شخص (رجل) کا نام نہیں لیا گیا اور علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (ج ۲ ص ۱۰) میں اس کی تضعیف فرمائی۔ علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد (ج ۳ ص ۱۷۱) میں اسے بیان کیا پھر فرمایا: یہ سارا قصہ احمد نے بیان فرمایا اور اسی طرح ابویعلیٰ نے اس کی سند میں ایک شخص ہے جس کا نام نہیں لیا گیا۔

اس روایت کا ایک شاہد: ابن ابی الدنیا نے ''الغیبہ'' (ص ۴۷) اور ''الصمت'' (ص ۳۰۵) میں، ہناد نے الزہد (ج ۲ ص ۵۷۳) الطیالسی نے اپنی مسند (ص ۲۸۲) بیہقی نے ''شعب الایمان'' (ج ۵ ص ۳۰۱) ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں جیسا کہ عراقی کی تخریج احیاء العلوم (ج ۳ ص ۱۴۲) میں ہے اور ابن ابی شیبہ نے مصنف (ج ۳ ص ۴) میں ''**الربیع بن صبیح عن یزید الرقاشي عن أنس بن مالك**'' کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے۔
اس کی سند سخت ضعیف ہے اس میں دو علتیں ہیں: (۱) الربیع بن صبیح البصری ضعیف اور بدحافظہ ہے۔ (۲) یزید بن ابان الرقاشی (ضعیف) ہے۔ اسے ابن معین، دارقطنی، برقانی اور ابن حجر نے ضعیف قرار دیا اور نسائی اور حاکم نے اسے متروک الحدیث کہا۔ شعبہ اس پر سخت جرح کرتے تھے۔ دیکھئے تہذیب التہذیب (ج ۱۱ ص ۲۷۰) اور تقریب التہذیب (ص ۵۹۹)
حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر (ج ۴ ص ۱۹۰) میں فرمایا: اس کی سند ضعیف اور متن غریب ہے۔ علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ (ج ۲ ص ۱۰، ۱۱) میں اسے ذکر کیا اور پھر فرمایا: یہ سند سخت ضعیف ہے، الربیع بن صبیح ضعیف اور یزید بن ابان (الرقاشی) متروک راوی ہے۔
عرضِ مترجم: اکثر لوگ رمضان المبارک میں روزے کی حفاظت یا اس کے علاوہ ''غیبت'' کے عنوان پر خطاب کرتے ہوئے یہ قصہ بیان کرتے نظر آتے ہیں، جبکہ سنداً یہ قصہ ثابت نہیں بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے غیبت کو ''اپنے مردہ بھائی کے گوشت کھانے'' سے تعبیر فرمایا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿**وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ**﴾
اور تم میں سے کوئی شخص بھی دوسرے کی غیبت نہ کرے، کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اسے ناپسند کرتے ہو اور اللہ سے ڈرو یقیناً اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے اور بہت رحم کرنے والا ہے۔ [الحجرات:۱۲]
لہٰذا ضعیف وموضوع روایات سے اپنا دامن بچاتے ہوئے قرآن اور صحیح حدیث کی روشنی میں وعظ ونصیحت کیجئے۔

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

کیا بھینس حلال ہے؟

موجودہ دور میں بعض لوگ تجاہلِ عارفانہ کی روش اپناتے ہوئے یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ قرآن وحدیث میں بھینس کی حلت موجود نہیں بلکہ ہماری 'فقہ' نے اس کو حلال قرار دیا ہے، سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تقلیدی فقہ کو حلت وحرمت کا اختیار کس نے دیا ہے؟

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے:

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴾ کسی چیز کو اپنی زبانوں سے جھوٹ (میں) حلال یا حرام نہ کہہ دیا کرو تا کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھو، جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ (النحل:۱۱۶)

حافظ ابن کثیر (متوفی ۷۷۴ھ) اس آیت کی تشریح وتفسیر میں لکھتے ہیں:

"ویدخل في هذا كل مبتدع من ابتدع بدعة ليس له فيها مستند شرعي ، أو حلل شيئًا مما حرم الله ،أو حرم شيئًا مما أباح الله بمجرد رأيه وتشهيه'' ہر وہ بدعتی اس حکم میں داخل ہے، جس نے بدعت جاری کی، جبکہ اس کے پاس اس بدعت پر شرعی ثبوت ودلیل نہیں ہے یا جس نے محض اپنی رائے اور نفسانی خواہش سے اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام اور حرام کردہ چیزوں کو حلال قرار دیا۔ (تفسیر ابن کثیر ۴/۷۵)

ثابت ہوا کہ حلال وحرام صرف وہی ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حلال وحرام قرار دیا ہے۔

واضح رہے کہ نبی کریم ﷺ کامل دین لے کر آئے ہیں آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ

کے حکم سے حلال وحرام کے بارے میں جامع اصول بیان کر دیئے ہیں، جن کی روشنی میں ہم کسی چیز کے حلال وحرام ہونے کا پتا لگا سکتے ہیں۔

دلیل نمبر۱: ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْأَنْعَامِ ﴾

تمھارے لئے مویشی چوپائے حلال کیے گئے ہیں۔ (المآئدۃ:۱)

جو جانور حرام ہیں، وہ دوسرے دلائل سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ اس آیت میں اشارہ ہے۔

امام قتادہ بن دعامہ تابعی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

''**الأنعام كلها**'' سارے کے سارے جانور حلال ہیں۔

(تفسیر طبری ۹/۴۵۵، اسنادہ صحیح)

اہل سنت کے امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے نزدیک یہی قول مختار ہے۔

ابن عطیہ کہتے ہیں: ''**هٰذا قول حسن**'' یہ قول حسن (اچھا) ہے۔ (تفسیر الشوکانی ۴/۲)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی محمد شفیع دیوبندی لکھتے ہیں:

''اور لفظ **أنعام**، نَعم کی جمع ہے، پالتو جانور جیسے اونٹ، گائے، بھینس، بکری وغیرہ جن کی آٹھ قسمیں سورۂ انعام میں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ان کو 'انعام' کہا جاتا ہے۔ **بهيمة** کا لفظ عام تھا۔ 'انعام' کے لفظ نے اس کو خاص کر دیا۔ مراد آیت کی یہ ہوگئی کہ گھریلو جانوروں کی آٹھ قسمیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں، لفظ '**عقود**' کے تحت ابھی آپ پڑھ چکے ہیں، کہ تمام معاہدات داخل ہیں۔ ان میں سے ایک معاہدہ وہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے حلال وحرام کی پابندی کے متعلق لیا ہے۔ اس جملہ میں اس خاص معاہدہ کا بیان آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اونٹ، بکری، گائے، بھینس وغیرہ کو حلال کر دیا ہے۔ ان کو شرعی قاعدہ کے موافق ذبح کر کے کھا سکتے ہیں۔'' (معارف القرآن از محمد شفیع دیوبندی ۱۳/۳)

دیکھئے 'مفتی' صاحب تو بھینس کی حلت قرآن سے ثابت کر رہے ہیں اور 'فرما' رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بھینس کو حلال قرار دیا ہے۔

دلیل نمبر۲: بھینس کے بارے میں شریعت نے خاموشی اختیار کی ہے اور اس کی حرمت

پر نص قائم نہیں کی لہٰذا یہ حلال ہے۔

(۱) ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْمَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّماً عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحاً.... ﴾

کہہ دیجئے کہ مجھ پر نازل کی گئی وحی میں کسی کھانے والے پر مردار اور دم مسفوح (جو خون ذبح کے وقت بہتا ہے) کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ (الانعام:۱۴۵)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں: ''فهٰذا یدل علٰی مالم یوجد تحریمه فلیس بمحرم'' یہ آیت کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ (شریعت میں کھانے پینے اور پہننے کی) جس چیز کی حرمت نہ پائی جائے وہ حرام نہیں ہے۔ (جامع العلوم والحکم لابن رجب ص۳۸۱)

حافظ ابن کثیر مذکورہ آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

" والمقصود من سیاق هٰذه الآیة الکریمة الرد علی المشرکین الذین ابتدعوا ما ابتدعوه من تحریم المحرمات علٰی أنفسهم بآرائهم الفاسدة من البحیرة والسائبة والوصیلة والحام ونحو ذلك، فأمر رسوله أن یخبرهم أنه لا یجد فیما أوحاه الله إلیه أن ذلك محرم ، وإنما حرم ماذکر في هٰذه الآیة من المیتة والدم المسفوح، ولحم الخنزیر، وما أهل لغیر الله به ،وماعدا ذلك فلم یحرم ، وإنما هو عفو مسکوت عنه ،فکیف تزعمون أنتم أنه حرام ومن أین حرمتموه ولم یحرمه ؟ وعلٰی هٰذا فلا ینفي تحریم أشیا ء أخر فیما بعد هٰذا ،کما جاء النهي عن لحوم الحمر الأ هلیة ولحوم السباع وکل ذي مخلب من الطیر علی المشهور من مذاهب العلماء "

اس آیت کریمہ کا مقصد مشرکین کا رد کرنا ہے، جنھوں نے اپنی فاسد آراء سے اپنے آپ پر بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کو حرام قرار دینے کی بدعت جاری کی، اللہ تعالیٰ

نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ مشرکین کو خبر دیں کہ اللہ تعالیٰ کی وحی میں یہ چیزیں حرام نہیں ہیں ،اس آیت میں مذکور مردار ،دم مسفوح (بوقت ذبح بہتا ہوا خون) خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جو غیر اللہ کی طرف منسوب کی جائے ،کو ہی حرام قرار دیا گیا ہے ،ان کے علاوہ کسی چیز کو حرام نہیں کہا گیا ، باقی جو کچھ بھی ہے، وہ معاف ہے اور ان سے سکوت اختیار کیا (جن چیزوں کی حرمت سے شریعت خاموش ہے) تم نے یہ کیسے سمجھ لیا کہ یہ چیزیں حرام ہیں اور تم انھیں کیسے حرام قرار دیتے ہو؟ یہ قاعدہ ان چیزوں کی نفی نہیں کرتا ،جن کی حرمت اس کے بعد وارد ہو چکی ہے، جیسا کہ پالتو گدھوں ، درندوں اور پنجوں سے شکار کرنے والے پرندوں کے گوشت کی حرمت ہے ،علماء کا مشہور مذہب یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ۳/۱۰۳، ۱۰۴)

(۲) نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَاسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّاحَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ﴾

اور تمھیں کیا ہے کہ تم اس چیز کو نہیں کھاتے ہو جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ اس نے تم پر حرام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی ہے سوائے ان (حرام) چیزوں کے جن کے کھانے پر تم مجبور ہو جاؤ۔ (الانعام:۱۱۹)

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں:

''فعنفهم علٰى ترك الأكل مما ذكر اسم الله عليه معلّلاً بأنه قد بين لهم الحرام، وهٰذا ليس منه ، فدل علٰى أن الأشياء على الإباحة وَإلا لما ألحق اللوم بمن امتنع من الأكل مما لم ينص له علٰى حله بمجرد كونه لم ينص علٰى تحريمه''

اللہ تعالیٰ نے انھیں ان چیزوں کے نہ کھانے پر ڈانٹا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا، وجہ یہ بیان کی ہے کہ حرام تو تم پر واضح کر دیا گیا ہے اور یہ چیز اس میں شامل

نہیں ہے، یہ آیت کریمہ دلیل ہے کہ چیزوں میں اصل اباحت ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو ملامت کیوں کیا ہے جو اس چیز کے کھانے سے رک گیا، جس کی حلت وحرمت پر کوئی نص (دلیل) موجود نہیں۔ (جامع العلوم والحکم لابن رجب ص ۳۸۱)

(۳) سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ ، لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ)) مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا، جو حرام نہیں تھی اور وہ اس کے سوال کرنے کی وجہ سے حرام ہوگئی۔

(صحیح البخاری، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال ومن تکلف مالا یعنیہ ۱۰۸۲/۲ ح ۷۲۸۹، صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب توقیرہ صلی اللہ علیہ وسلم وترک إکثار سؤالہ عما لا ضرورۃ إلیہ... ۲۶۲/۲ ح ۲۳۵۸)

مذکورہ بالا دونوں آیات اور حدیث سے یہ قاعدہ اور اصول اخذ ہوا کہ (کھانے پینے اور پہننے کی) ہر چیز اصل میں مباح اور حلال ہے، جب حرمت پر نص وارد ہو جائے گی وہ حرام ٹھہرے گی ورنہ حلال ہوگی۔

بھینس کی حرمت پر نص وارد نہیں ہوئی ہے لہٰذا وہ شریعت کی رُو سے حلال ہے۔

دلیل نمبر ۳: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((كُلُّ ذِيْ نَابٍ مِنَ السِّبَاعِ فَأَكْلُهُ حَرَامٌ))

ہر کچلی والے (نوکدار دانت جو اگلے دانتوں کے متصل ہوتے ہیں) درندے کا کھانا حرام ہے۔ (صحیح مسلم، کتاب الصید والذبائح، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع... ۱۴۷/۲ ح ۱۹۳۳)

بھینس شریعت کے اس اصول کے تحت بھی نہیں آتی ہے، کیونکہ یہ ''ذي ناب من السباع'' میں سے نہیں ہے، اس کی حرمت پر کوئی دلیل بھی نہیں ہے لہٰذا یہ حلال ہے۔

دلیل نمبر ۴: بھینس کے حلال ہونے پر اجماع و اتفاق ہے، کسی نے اس کو حرام نہیں کہا۔ یہ بھی ایک قوی دلیل ہے، کیونکہ اجماعِ امت شریعت کی دلیلوں میں سے ایک دلیل ہے۔

امام ابن المنذر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ''وَأَجْمَعُوْا عَلٰى أَنَّ حُكْمَ الْجَوَامِيْسِ حُكْمُ الْبَقَرِ''

تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع واتفاق ہے کہ بھینس کا حکم گائے کا حکم ہے۔

(الاجماع لابن المنذر ر:۴۷)

حافظ ابن قدامہ المقدسی لکھتے ہیں: ''لَا خِلَافَ فِيْ هٰذَا نَعْلَمُهٗ ، وَقَالَ ابْنُ الْمُنْذِرِ : أَجْمَعَ كُلُّ مَنْ يَّحْفَظُ عَنْهُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى هٰذَا وَلِأَنَّ الْجَوَامِيْسَ مِنْ أَنْوَاعِ الْبَقَرِ'' ہمیں اس میں اختلاف کا علم نہیں ہے۔ ابن المنذر رنے اہلِ علم کا اجماع نقل کیا ہے کہ بھینس گائے کی نوع ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ۲/۵۹۴)

حافظ ابن تیمیہ لکھتے ہیں: ''اَلْجَوَامِيْسُ بِمَنْزِلَةِ الْبَقَرِ حَكٰى ابْنُ الْمُنْذِرِ فِيْهِ الْإِجْمَاعَ'' بھینس بمنزلہ گائے کے ہے، اس پر ابن المنذر رنے اجماع بیان کیا ہے۔ (مجموع فتاویٰ ۲۵/۳۷)

حافظ ابن حزم لکھتے ہیں: ''اَلْجَوَامِيْسُ صِنْفٌ مِنَ الْبَقَرِ''
بھینس گائے کی نوع وقسم ہے۔ (المحلّٰی لابن حزم ۶/۲)

الحاصل: بھینس شریعت کے اصول وقاعدہ کے مطابق حلال ہے، جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حلال نہیں کہا، وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ پر بہتان باندھتا ہے۔

تنبیہ: جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث سے بھینس کا حلال ہونا ثابت نہیں ہے، ان سے درخواست ہے کہ مذکورہ دلائل اور اجماعِ صحیح پر دوبارہ غور کر لیں اور اپنے مزعوم امام سے، جن کی تقلید کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے ہیں، باسند صحیح بھینس کا حلال ہونا ثابت کر دیں اور اگر نہ کر سکیں تو.....

اصلاحِ دل

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آگاہ ہو جاؤ! (انسان کے) جسم میں ایک ٹکڑا ہے، اگر وہ درست ہو تو سارا جسم صحیح قرار پاتا ہے اور اگر وہ فاسد (خواہشات کا متبع) ہو جائے تو سارا جسم بگاڑ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ دل ہے۔
(صحیح بخاری:۲۰۵۱)

حافظ زبیر علی زئی

اسماعیل جھنگوی صاحب
کے پندرہ جھوٹ

کچھ لوگ اہلِ حدیث کے خلاف دن رات پروپیگنڈا کرتے اور فروغِ اکاذیب میں مصروف رہتے ہیں جن میں سے ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی بھی ہیں۔ اس مختصر مضمون میں جھنگوی مذکور کی کتاب ''تحفۂ اہلحدیث'' حصہ اول سے پندرہ جھوٹ اور ان کا ردتبصرہ کے عنوان سے باحوالہ پیشِ خدمت ہے:

جھوٹ نمبر۱: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:

''بیٹھ کر پیشاب کرنا بخاری میں نہیں'' (تحفۂ اہلحدیث ص۴ نیز دیکھئے ص۱۰)

تبصرہ: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **''فرأیت رسول الله ﷺ قاعدًا علی لبنتین ، مستقبل بیت المقدس''** پھر میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا، آپ دو اینٹوں پر (قضائے حاجت فرماتے ہوئے) بیت المقدس کی طرف رخ کئے ہوئے بیٹھے تھے۔

(صحیح بخاری ج۱ص ۲۷ ح ۱۴۹، ارشاد القاری للقسطلانی ج۱ص ۲۳۸)

تنبیہ (۱): اگر کوئی یہ کہے کہ ''قضائے حاجت میں صرف بڑا پیشاب ہی ہوتا ہے چھوٹا پیشاب نہیں ہوتا'' تو یہ قول بلا دلیل اور مردود ہے۔

تنبیہ (۲): اہلِ حدیث کے نزدیک صحیح وحسن لذاتہ حدیث حجت اور معیارِ حق ہے، چاہے صحیح بخاری میں ہو یا صحیح مسلم میں یا حدیث کی کسی بھی معتبر ومستند کتاب میں۔ اہلِ حدیث کا قطعاً یہ دعویٰ نہیں ہے کہ صرف صحیح بخاری وصحیح مسلم کی احادیث ہی حجت ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ ایک حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نبی ﷺ کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرتے تھے۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱/۱۰۲ وسندہ حسن)

ایک روایت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اشارتاً منع فرمایا۔
(دیکھئے کشف الاستار ۱/۲۶۶ ح ۵۴۷ وسندہ حسن) معلوم ہوا کہ پیشاب بیٹھ کر ہی کرنا چاہئے اور کھڑے ہو کر پیشاب کرنا منسوخ ہے یا حالتِ عذر میں جواز پر محمول ہے۔

جھوٹ نمبر ۲، ۳: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:
''نبی کریم علیہ السلام تو ننگے سر آدمی کے سلام کا جواب تک نہیں دیتے (مشکوۃ)''
(تحفۂ اہلحدیث ص ۱۳)

تبصرہ: یہ بالکل جھوٹ اور دروغ بے فروغ ہے۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صاحبِ مشکوٰۃ دونوں پر جھوٹ بولا گیا ہے۔ مشکوٰۃ میں اس طرح کی کوئی حدیث نہیں ہے۔

جھوٹ نمبر ۴: اہلِ حدیث اور اہلِ سنت کے بارے میں اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:
''پیارے ان کو ایک نہیں کیا جا سکتا ہے۔ ان دو کے درمیان بعد المشرقین ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے ہمارا نام اہل سنت والجماعت رکھا ہے۔ اہل حدیث نہیں رکھا۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۰)

تبصرہ: اہلِ حدیث اور اہل سنت کو علیحدہ علیحدہ اور بعد المشرقین قرار دینا بھی جھوٹ ہے اور یہ تو بہت بڑا جھوٹ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیوبندیوں کا نام اہلِ سنت والجماعت رکھا ہے۔

تنبیہ: عبدالحق حقانی (تقلیدی) لکھتے ہیں: ''اور اہل سنت شافعی حنبلی مالکی حنفی ہیں اور اہل حدیث بھی ان ہی میں داخل ہیں'' (عقائد الاسلام ص ۳)

یہ کتاب محمد قاسم نانوتوی کی مطالعہ شدہ اور پسندیدہ ہے۔ دیکھئے عقائد الاسلام (ص ۲۶۴)
محمد کفایت اللہ دہلوی دیوبندی لکھتے ہیں:
''ہاں اہلِ حدیث مسلمان ہیں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں۔ ان سے شادی بیاہ کا معاملہ کرنا درست ہے۔ محض ترکِ تقلید سے اسلام میں فرق نہیں پڑتا اور نہ اہل سنت والجماعت سے تارکِ تقلید باہر ہوتا ہے۔ فقط'' (کفایت المفتی ج ۱ ص ۳۲۵ جواب نمبر ۳۷۰)

جھوٹ نمبر ۵: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:
''اہل سنت قبر میں عذاب وثواب کے قائل ہیں جبکہ موجودہ غیر مقلد اہل حدیث اس کے

قائل نہیں ہیں۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۳)

تبصرہ: ہم اور ہمارے تمام اساتذہ قبر میں عذاب وراحت کے قائل ہیں۔ مثلاً ہمارے استاد شیخ ابو محمد بدیع الدین شاہ الراشدی السندھی رحمہ اللہ نے منکرینِ عذابِ قبر کے رد میں ایک کتاب ''القضاء والجزاء بأمر الله متٰی یشاء'' لکھی ہے جس میں وہ فرماتے ہیں:

''اور عذاب قبر کا انکار کرنا دیانتداری کے خلاف ہے۔'' (ص ۴)

ہمارے ایک قابلِ احترام دوست ڈاکٹر ابو جابر عبداللہ دامانوی حفظہ اللہ تو منکرینِ عذابِ قبر کے خلاف بے نیام تلوار اور اس فن کے امام ہیں۔ میرے انتہائی محترم استاد حافظ عبدالحمید ازہر حفظہ اللہ نے اس مسئلے پر کتاب لکھی ہے اور منکرینِ عذابِ قبر کا زبردست رد کیا ہے۔ اس مسئلے پر راقم الحروف کی کتاب ''تحقیق وترجمۂ عذاب القبر للبیہقی'' ابھی تک غیر مطبوع ہے۔

جھوٹ نمبر ۶: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:

''اہل سنت حضور علیہ السلام کے روضہ کی زیارت کو ثواب سمجھتے ہیں جبکہ غیر مقلد اہل حدیث اسے حرام کہتے ہیں۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۴)

تبصرہ: یہ بالکل کالا جھوٹ ہے۔ اہلِ حدیث کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی قبر کی زیارت نبی ﷺ سے محبت کی علامت ہے بلکہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کا حکم دیا ہے کیونکہ یہ آخرت کی یاد کا ذریعہ ہے۔ (صحیح مسلم: ۹۷۷، الترمذی: ۱۰۵۴)

تنبیہ: کسی خاص قبر کی زیارت کے لئے دور سے سفر کرنے کے بارے میں علمائے کرام کا اختلاف ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور اہلِ حدیث علماء کے نزدیک راجح یہی ہے کہ مسجد نبوی کی نیت سے سفر کیا جائے اور بعد میں نبی کریم ﷺ کی قبر یا حجرے کی زیارت کی جائے۔ **والحمدلله**

جھوٹ نمبر ۷: اسماعیل جھنگوی لکھتے ہیں:

''اہل سنت بیس تراویح سے کم کے قائل نہیں'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۴)

تبصرہ: قاضی ابوبکر بن العربی المالکی (متوفی ۵۴۳ھ) فرماتے ہیں:

''اور صحیح یہ ہے کہ گیارہ رکعات پڑھنی چاہئیں''

(عارضۃ الاحوذی ۴/۱۹ ح ۸۰۶، تعداد رکعاتِ قیام رمضان کا تحقیقی جائزہ ص ۸۶)

کیا قاضی صاحب اہلِ سنت سے خارج تھے؟

علامہ قرطبی (متوفی ۶۵۶ھ) لکھتے ہیں: ''اور کثیر علماء یہ کہتے ہیں کہ گیارہ رکعتیں ہیں''

(المفہم من تلخیص کتاب مسلم ۲/۳۹۰، تعداد رکعاتِ قیام رمضان ص ۸۶)

امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اگر رکعتیں کم اور قیام لمبا ہو تو بہتر ہے اور مجھے زیادہ پسند ہے...'' (مختصر قیام اللیل للمروزی ص ۲۰۲، ۲۰۳، تعداد رکعاتِ قیام رمضان ص ۸۵)

کیا یہ سب اہلِ سنت سے خارج تھے؟

جھوٹ نمبر ۸: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:

''اہل سنت نماز میں قرآن شریف کو دیکھ کر پڑھنا ناجائز سمجھتے ہیں۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۴)

تبصرہ: سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا غلام (رمضان میں) قرآن مجید دیکھ کر امامت کراتا تھا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۲/۳۳۸ ح ۷۲۱۵ وسندہ صحیح، صحیح بخاری قبل ح ۶۹۲)

مشہور تابعی محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید دیکھ کر امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۴ وسندہ صحیح)

تابعیہ عائشہ بنت طلحہ بن عبیداللہ التیمیہ رحمہا اللہ اپنے غلام یا کسی شخص کو حکم دیتیں تو وہ انھیں مصحف (قرآن) دیکھ کر نماز پڑھاتا تھا۔ (ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۷ وسندہ صحیح)

حکم بن عتیبہ رحمہ اللہ نے قرآن دیکھ کر نماز پڑھانے کی اجازت دی۔

(ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۸ وسندہ صحیح)

حسن بصری بھی اسے جائز سمجھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۷۲۱۹ وسندہ صحیح)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا غلام مصحف ہاتھ میں پکڑے ہوئے قرآن دیکھ کر لقمہ دیتا تھا۔

(ابن ابی شیبہ: ۷۲۲۲ وسندہ حسن)

امام محمد بن سیرین نماز پڑھتے اور ان کے قریب ہی مصحف ہوتا تھا، جب انھیں کسی (آیت)

میں تردد ہوتا تو مصحف دیکھ لیا کرتے تھے۔ (مصنف عبدالرزاق ۴۲۰/۲ ح ۳۹۳۱ وسندہ صحیح)
امام ابن شہاب الزہری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کیا قرآن مجید دیکھ کر نماز پڑھائی جاسکتی ہے؟ تو انھوں نے فرمایا: جی ہاں، جب سے اسلام ہے، لوگ یہ کررہے ہیں۔
(المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۲ وسندہ حسن)
یحییٰ بن سعید الانصاری رحمہ اللہ نے فرمایا: میں رمضان میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔ (المصاحف ص ۲۲۲ وعندہ: ''معاوية عن صالح بن يحيى بن سعيد الأنصاري''
والصواب: ''معاوية بن صالح عن يحيى بن سعيد الأنصاري'' وسنده حسن)
امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مشہور استاد امام عطاء بن ابی رباح المکی التابعی رحمہ اللہ نماز میں قرآن دیکھ کر قراءت کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔
(المصاحف لابن ابی داود ص ۲۲۲ وسندہ حسن، رباح بن ابی معروف حسن الحدیث وثقہ الجمہور وباقی السند صحیح)
کیا خیال ہے؟ یہ صحابۂ کرام و تابعین و سلف صالحین اہلِ سنت سے خارج تھے؟ جو شخص انھیں اہلِ سنت سے خارج سمجھتا ہے وہ بذاتِ خود اہلِ سنت سے خارج اور گمراہ ہے۔
تنبیہ: بعض علماء مثلاً حماد اور قتادہ وغیرہما مصحف دیکھ کر قرآن پڑھنا ناپسند کرتے یا مکروہ سمجھتے تھے۔ (مثلاً دیکھئے ابن ابی شیبہ: ۷۲۳۰ وسندہ صحیح)
یہ قول اس پر محمول ہے کہ صحیح العقیدہ حافظ ہونے کے باوجود جان بوجھ کر قرآن دیکھ کر نماز میں قراءت کی جائے۔
دوسرے یہ کہ صحابہ اور کبار تابعین کے مقابلے میں ان اقوال کی کیا حیثیت ہے؟
جھوٹ نمبر۹: اسماعیل جھنگوی صاحب کہتے ہیں:
''اہلِ سنت مغرب کی اذان کے بعد نفل نہیں پڑھتے'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۵)
تبصرہ: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''**وكنا نصلي على عهد رسول الله ﷺ ركعتين بعد غروب الشمس قبل صلوة المغرب**'' اور ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں غروبِ آفتاب کے بعد نمازِ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(صحیح مسلم:۳۰۲/۸۳۶)

معلوم ہوا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ اور صحابۂ کرام نمازِ مغرب کی اذان کے بعد دو رکعتیں پڑھتے تھے۔ایک روایت میں آیا ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کبار (بڑے) صحابہ کو مغرب کے وقت (دو رکعتوں کے لئے) ستونوں کی طرف جلدی جلدی جاتے ہوئے دیکھا ہے۔

(صحیح بخاری:۵۰۳ والسنن الکبریٰ للبیہقی ۴۷۶/۲ وسفیان الثوری صرح بالسماع عندہ)

جلیل القدر کبار تابعین میں سے سیدنا ابوتمیم عبداللہ بن مالک الجیشانی رحمہ اللہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے اور سیدنا عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری:۱۱۸۴)

یاد رہے کہ یہ رکعتیں فرض و واجب نہیں ہیں انھیں چھوڑ دینا بھی جائز ہے لیکن پڑھنا بہتر ہے۔

(عبدالرحمٰن) بن ابی لیلیٰ رحمہ اللہ مغرب (کی نماز) سے پہلے دو رکعتیں پڑھتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ۳۵۶/۲ ح ۷۳۸۰ وسندہ صحیح)

کیا یہ صحابہ و تابعین اہلِ سنت نہیں تھے؟

جھوٹ نمبر ۱۰: اسماعیل جھنگوی لکھتے ہیں:

''جبکہ غیر مقلدین کے ہاں فاتحہ قرآن میں نہیں۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۵۵)

تبصرہ: **معاذ الله ، نستغفر الله، ألا لعنة الله على الظالمين .**

تمام اہلِ حدیث علماء کے نزدیک سورۂ فاتحہ قرآن میں سے ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((فلا تقرؤا بشئ من القرآن إذا جهرت إلا بأم القرآن))

جب میں جہری نماز پڑھ رہا ہوتا ہوں تو قرآن میں سے سورۂ فاتحہ کے سوا کچھ بھی نہ پڑھو۔

(سنن ابی داود:۸۲۴ وسندہ صحیح، نافع بن محمود ثقہ وثقہ الجمہور ومکحول لم ینفرد بہ، تابعہ حرام بن حکیم والحمدللہ)

کس اہلِ حدیث عالم نے کہا ہے کہ سورۂ فاتحہ قرآن میں سے نہیں ہے؟ حوالہ پیش کریں

ورنہ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۱: اسماعیل جھنگوی لکھتے ہیں:

''اہلِ سنت کے ہاں وتر تین ہیں جبکہ غیر مقلدین اہلِ حدیث کے نزدیک وتر ایک ہے۔''

(تحفۂ اہلحدیث ص ۵۶)

تبصرہ: ایک وتر کے بارے میں اتنی روایات ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ان کا جمع کرنا انتہائی مشکل ہے۔ فی الحال چند روایات پیشِ خدمت ہیں:

نبی ﷺ نے ایک وتر پڑھا۔

(سنن الدارقطنی ج ۲ ص ۳۴ ح ۱۶۵۶ وسندہ صحیح، وقال النیموی فی آثار السنن [۵۹۷]: ''وإسنادہ صحیح'')

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ایک وتر پڑھتے اور اسے اپنا وتر کہتے تھے۔

(سنن دارقطنی: ۱۶۵۷ وسندہ حسن وقال النیموی فی آثار السنن [۶۰۴]: ''وإسنادہ حسن'')

سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری: ۶۳۵۶)

سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے عشاء کے بعد ایک وتر پڑھا۔ (صحیح بخاری: ۳۷۶۴، ۳۷۶۵)

سیدنا ابو ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جو شخص تین وتر پڑھنا چاہتا ہے تو تین پڑھ لے اور جو شخص ایک وتر پڑھنا چاہتا ہے تو ایک وتر پڑھ لے۔ (سنن النسائی ۳/ ۲۳۹ ح ۱۷۱۳، وسندہ صحیح)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک وتر پڑھا۔

(السنن الکبریٰ للبیہقی ۳/ ۲۷ وسندہ صحیح، مصنف ابن ابی شیبہ ۲/ ۲۹۲ ح ۶۸۰۶ وسندہ صحیح)

امام عطاء بن ابی رباح فرماتے تھے کہ اگر چاہتے ہو تو ایک وتر پڑھ لو۔

(دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ: ۶۸۱۱ وسندہ صحیح، ابو اسامہ بریٔ من التدلیس)

آلِ سعد اور آلِ عبداللہ بن عمر ایک وتر پڑھتے تھے۔ (ابن ابی شیبہ: ۶۸۱۲ وسندہ صحیح)

تفصیل کیلئے مولانا ابو عمر عبدالعزیز النورستانی حفظہ اللہ کی عظیم الشان کتاب ''الدلیل الواضح علٰی أن الإیتار برکعة واحدة مستقلة شرعة الرسول الناصح ﷺ''

(ص ۱ تا ۲۹۱) ملاحظہ فرمائیں۔

ان آثارِ صحیحہ کے باوجود یہ راگ الاپنا کہ اہلِ سنت (صرف) تین وتر پڑھتے ہیں (اور ایک وتر نہیں پڑھتے) بالکل غلط ہے۔ خلیل احمد سہارنپوری انبیٹھوی دیوبندی لکھتے ہیں: ''وتر کی ایک رکعت احادیث صحاح میں موجود ہے اور عبداللہ بن عمرؓ اور ابن عباس وغیرہما صحابہؓ اس کے مقر اور مالکؒ وشافعیؒ واحمدؒ کا وہ مذہب پھر اس پر طعن کرنا مؤلف کا ان سب پر طعن ہے کہو اب ایمان کا کیا ٹھکانا'' الخ (براہین قاطعہ ص ۷)

جھوٹ نمبر۱۲: اسماعیل جھنگوی لکھتے ہیں:

''امام صاحب نے پچپن حج کیے ہیں۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص۵۹)

تبصرہ: جھنگوی صاحب اور ان کی ساری پارٹی والے مل کر بھی باسند صحیح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے پچاس یا پچپن حج ادا کرنے کا ثبوت کبھی پیش نہیں کر سکتے۔

جھوٹ نمبر۱۳: اسماعیل جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:

''صحابہ کرامؓ میں جا کر نمازیں پڑھی ہیں۔'' (تحفۂ الہدیث ص۵۹)

تبصرہ: یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ نے صحابۂ کرام میں جا کر ان کے ساتھ نمازیں پڑھی ہیں، صحیح یا حسن سند سے قطعاً ثابت نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ کا کسی ایک صحابی کے دیدار سے مشرف ہونا بھی قطعاً ثابت نہیں ہے۔ فی الحال دو دلیلیں پیشِ خدمت ہیں:

اول: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا: ''**ما رأیت أفضل من عطاء**''

میں نے عطاء (بن ابی رباح) سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔

(الکامل لابن عدی ج ۷ص ۲۴۷۳ وسندہ صحیح، دوسرا نسخہ ج ۸ص ۲۳۷، کتاب الاسامی والکنیٰ لابی احمد الحاکم الکبیر ج ۴ص ۱۷۶، وسندہ صحیح)

امام صاحب کا دوسرا قول ہے کہ میں نے جابر الجعفی سے زیادہ جھوٹا اور عطاء بن ابی رباح سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔ (العلل الصغیر للترمذی مع السنن ص۸۹۱ وسندہ حسن)

امام صاحب کے اس قول سے ثابت ہوا کہ انھوں نے بشمول سیدنا انس رضی اللہ عنہ کسی صحابی کو نہیں دیکھا تھا ورنہ وہ یہ کبھی نہ کہتے کہ میں نے عطاء سے زیادہ افضل کوئی نہیں دیکھا۔

دوم: امام ابوحنیفہ کے دوشاگردوں (جمہور محدثین کے نزدیک مجروح) قاضی ابویوسف اور محمد بن الحسن الشیبانی نے اپنی کسی کتاب میں امام ابوحنیفہ کی تابعیت کا ثبوت پیش نہیں کیا۔
محدث کبیر امام علی بن عمر الدارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو نہیں دیکھا اور نہ کسی صحابی سے ملاقات کی ہے۔

(سوالات حمزہ بن یوسف السہمی: ۳۸۳ و تاریخ بغداد ۲۰۸/۴ وسندہ صحیح)

ان دو دلیلوں اور قول دارقطنی کے مقابلے میں خطیب وغیرہ متاخرین کے حوالے بے کار ومردود ہیں۔

جھوٹ نمبر ۱۴: اسماعیل جھنگوی صاحب ائمہ کرام کے بارے میں لکھتے ہیں:
''بھئی وہ مقلد نہیں تھے لیکن غیر مقلد بھی نہیں ہے۔ وہ مجتہد تھے۔ غیر مقلد کی تعریف ان پر فٹ نہیں آتی۔ غیر مقلد تو وہ ہوتا ہے۔ جو خود بھی اجتہاد نہ کر سکے اور مجتہد کی تقلید بھی نہ کرے بلکہ فقہاء کو گالیاں دے اور ان کے مقلدین کو مشرک کہے۔'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۶۳)

تبصرہ: درج بالا سارا بیان جھوٹ پر مبنی ہے۔
ائمۂ محدثین کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ مقلدین نہیں تھے اور نہ مجتہد مطلق تھے۔ (مجموع فتاویٰ ج ۲۰ ص ۴۰، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۵۰، ۵۱)
امام ابوحنیفہ کے بارے میں اشرفعلی تھانوی صاحب فرماتے ہیں:
''کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہ کا غیر مقلد ہونا یقینی ہے''

(مجالس حکیم الامت از مفتی محمد شفیع دیوبندی ص ۳۴۵، حقیقت حقیقت الالحاد از امداد الحق شیوی دیوبندی ص ۷۰، دین میں تقلید کا مسئلہ ص ۵۷)

کیا خیال ہے؟ کیا امام ابوحنیفہ سے اوکاڑوی حضرات یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ وہ فقہاء کو گالیاں دیتے اور ان کے مقلدین کو مشرک کہتے تھے؟ اگر نہیں کر سکتے تو پھر ان کی بیان کردہ ''غیر مقلد کی تعریف'' باطل ومردود ہے۔

جھوٹ نمبر ۱۵: اسماعیل جھنگوی صاحب قاضی ابویوسف اور محمد بن الحسن الشیبانی کے

بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ تو قسمیں اٹھاتے ہیں کہ ہمارا استاد سے کوئی اختلاف نہیں (شامی)'' (تحفۂ اہلحدیث ص ۷۰)

تبصرہ: فتاویٰ شامی سے اصل عبارت پیش کریں اور پھر ابن عابدین شامی سے لے کر قاضی ابو یوسف اور محمد بن الحسن الشیبانی تک صحیح سند پیش کریں۔

تنبیہ: محمد بن الحسن الشیبانی کی طرف منسوب کتاب الآثار میں امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ سبزیوں میں صدقے (عشر) کے قائل تھے۔ اس کے بعد شیبانی نے کہا: ''**وأما في قولنا فليس في الخضر صدقة**'' اور ہمارے قول میں سبز ترکاریوں میں زکوٰۃ نہیں۔'' (کتاب الآثار مترجم ص ۱۴۳ باب زکوٰۃ الزرع والعشر ح ۳۰۲)

قارئین کرام! ابو بلال محمد اسماعیل جھنگوی دیوبندی کی چھوٹی سی کتاب ''تحفۂ اہلحدیث'' کے پندرہ جھوٹ باحوالہ و باتبصرہ آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ اس کتاب ''تحفۂ اہلحدیث'' میں اور بھی بہت سے جھوٹ ہیں جنھیں طوالت کے خوف کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔ جھنگوی مذکور کی دوسری کتابوں میں بھی بہت زیادہ جھوٹ لکھے ہوئے ہیں، مثلاً سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ترکِ رفع یدین کی ایک روایت کے بارے میں جھنگوی صاحب لکھتے ہیں:

''زبیر علی زئی غیر مقلد نے نور العینین میں صحیح کہا۔'' (تحفۂ اہلحدیث حصہ دوم ص ۱۵۹)

حالانکہ اس ضعیف روایت کے بارے میں راقم الحروف نے علانیہ لکھا ہے کہ

''یہ حدیث علتِ قادحہ کے ساتھ معلول ہے اور سنداً او رمتناً دونوں طرح سے ضعیف ہے''

(نور العینین طبع اول ص ۹۶ وطبع دوم [کمپوزنگ کے بعد اول] اپریل ۲۰۰۲ء ص ۱۱۹، طبع سوم مارچ ۲۰۰۴ء ص ۱۱۵، طبع چہارم [جدید و ترمیم شدہ مع اضافات ایڈیشن] دسمبر ۲۰۰۶ء ص ۱۳۰)

بعض جگہ ''سنداً، متناً'' اور بعض جگہ ''سنداً و متناً'' چھپا ہے۔

معلوم ہوا کہ جھنگوی صاحب نے جھوٹ بولنے میں ماسٹر امین اوکاڑوی کو مات اور کذابین کا عالمی ریکارڈ قائم کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۱۳ فروری ۲۰۰۷ء)

حافظ شیر محمد

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے محبت

(۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہر مومن جو میرے بارے میں سُن لیتا ہے، مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ابو کثیر یحییٰ بن عبدالرحمٰن السحیمی نے پوچھا: آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا؟ انھوں نے فرمایا: میری ماں مشرکہ تھی، میں اسے اسلام (لانے) کی دعوت دیتا تھا اور وہ اس کا انکار کرتی تھی۔ ایک دن میں نے اسے دعوت دی تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ایسی باتیں کر دیں جنھیں میں ناپسند کرتا تھا۔ پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور روتے ہوئے آپ کو سارا قصہ بتا دیا۔ میں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ میری ماں کی ہدایت کے لئے دعا کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت دے۔ میں اس دعا کی خوشخبری کے لئے بھاگتا ہوا نکلا اور اپنے گھر کے پاس پہنچا تو دروازہ بند تھا اور نہانے والے پانی کے گرنے کی آواز آ رہی تھی۔ میری ماں نے جب میری آواز سُنی تو کہا: باہر ٹھہرے رہو۔ پھر اس نے لباس پہن کر دروازہ کھولا تو (ابھی) دوپٹہ اوڑھ نہ سکی اور کہا: ''**أشهد أن لا إلٰه إلا الله وأن محمدًا عبده ورسوله**'' میں اس کی گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے اور بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر میں اس حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا کہ میں خوشی سے رو رہا تھا۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! خوش ہو جایئے اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور ابو ہریرہ کی ماں کو ہدایت عطا کر دی ہے۔ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے) اللہ کی حمد وثنا بیان کی اور خیر کی بات کہی، میں نے کہا: آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ مجھے اور میری ماں کو مومنوں کا محبوب بنا دے تو آپ نے فرمایا: ((**اللهم حبّب عبيدك هذا وأمه إلٰى عبادك المؤمنين وحبب إليهم المؤمنين**.)) اے اللہ! اپنے اس بندے (ابو ہریرہ)

اور اس کی ماں کو مومنوں کا محبوب بنادے اور ان کے دل میں مومنوں کی محبت ڈال دے۔
(صحیح مسلم:۲۴۹۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مقبول ہوتی ہے لہٰذا وہ بصیغۂ جزم یہ فرماتے تھے کہ ہر مومن مجھ سے محبت کرتا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں مسکین آدمی تھا، پیٹ بھر کھانے پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لگا رہتا تھا جبکہ مہاجرین تو بازاروں میں اور انصار اپنے اموال (اور زمینوں) کی نگہداشت میں مصروف رہتے تھے۔ پھر (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ((من بسط ثوبه فلن ينسى شيئاً سمعه مني)) جو شخص (اب) اپنا کپڑا بچھائے تو وہ مجھ سے سُنی ہوئی کوئی بات کبھی نہیں بھولے گا۔

پھر میں نے کپڑا بچھایا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حدیثیں بیان کرنے سے فارغ ہوئے پھر میں نے اس کپڑے کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا تو میں نے آپ سے (اس مجلس میں اور اس کے بعد) جو سُنا اسے کبھی نہیں بھولا۔ (صحیح بخاری:۲۰۴۷ و صحیح مسلم:۲۴۹۲)

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ ہم میں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس زیادہ رہتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو سب سے زیادہ یاد کرنے والے تھے۔ (سنن الترمذی:۳۸۳۶ وسندہ صحیح، ماہنامہ الحدیث:۳۲ص۱۰،۱۱)

سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو منادی کرنے والا مقرر کرکے بھیجا تھا۔ (صحیح بخاری:۳۶۹)

ایک دفعہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث بیان کی تو ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''صدق أبو هريرة'' ابو ہریرہ نے سچ کہا ہے۔
(طبقات ابن سعد ۴/۳۳۲ وسندہ صحیح، الحدیث:۳۲ص۱۱)

امام بخاری نے حسن سند سے روایت کیا ہے کہ
''عن أبي سلمة عن أبي هريرة عبدشمس '' إلخ (التاریخ الکبیر ۶/۱۳۲ ت ۱۹۳۸)

معلوم ہوا کہ قبولِ اسلام سے پہلے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نام عبدشمس تھا۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہا ہوں۔

(کتاب المعرفۃ والتاریخ ۱۶۱/۳ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی حمید بن عبدالرحمٰن الحمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ (سیدنا) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ چار سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے۔

(سنن ابی داود: ۸۱ وسندہ صحیح، سنن النسائی ۱۳۰/۱ ح ۲۳۹ وصححہ الحافظ ابن حجر فی بلوغ المرام: ۶)

ان دونوں روایتوں میں تطبیق یہ ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکمل تین سال تک اور چوتھے سال کا کچھ حصہ رہے، جسے راویوں نے اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کر دیا ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خیبر میں حاضر تھا۔

(تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی: ۲۳۲ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ رات کے ایک تہائی حصے میں قیام کرتے (تہجد پڑھتے) تھے اور ان کی زوجہ محترمہ ایک تہائی حصے میں قیام کرتیں اور ان کا بیٹا ایک تہائی حصے میں قیام کرتا تھا۔

(کتاب الزہد للامام احمد ص ۱۷۷ ح ۹۸۶، کتاب الزہد لابی داود: ۲۹۸ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۳۸۲/۱، ۳۸۳)

یعنی انھوں نے رات کے تین حصے مقرر کر رکھے تھے جن میں ہر آدمی باری باری نوافل پڑھتا تھا۔ اس طریقے سے سارا گھر ساری رات عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ سبحان اللہ

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے دورِ امارت کے دوران میں بھی خود لکڑیاں اُٹھا کر بازار سے گزرا کرتے تھے۔ (دیکھئے الزہد لابی داود: ۲۹۷ وسندہ صحیح، حلیۃ الاولیاء ۳۸۴/۱، ۳۸۵)

عبداللہ بن رافع رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ میں نے ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) سے پوچھا: آپ کو ابو ہریرہ کیوں کہتے ہیں؟ انھوں نے فرمایا: کیا تم مجھ سے نہیں ڈرتے؟

ابن رافع نے کہا: جی ہاں، اللہ کی قسم! میں آپ سے ضرور ڈرتا ہوں۔ انھوں نے فرمایا: میں اپنے گھر والوں کے لئے بکریاں چراتا تھا اور میری ایک چھوٹی سی بلی تھی۔ رات کو میں اسے

ایک درخت پر چھوڑ دیتا اور دن کو اس کے ساتھ کھیلتا تھا تو لوگوں نے میری کنیت ابو ہریرہ مشہور کر دی۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۳۲۹ وسندہ حسن)

محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے فرمایا: آپ کا رنگ سفید تھا اور آپ خوش مزاج نرم دل تھے۔ آپ سرخ رنگ کا خضاب یعنی مہندی لگاتے تھے۔ آپ کاٹن کا کھردرا پھٹا ہوا لباس پہنتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۴/ ۳۳۳، ۳۳۴ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہر اُس شخص کے دشمن تھے جو اللہ اور اس کے رسول کا دشمن تھا۔

(طبقات ابن سعد ۴/ ۳۳۵ وسندہ صحیح)

مشہور تابعی ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیماری کے دوران میں اُن کے پاس گئے تو کہا: اے اللہ! ابو ہریرہ کو شفا دے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اللہ! مجھے واپس نہ کر...... اے ابو سلمہ! اگر مر سکتے ہو تو مر جاؤ، اس ذات (اللہ) کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو ہریرہ کی جان ہے! علماء پر ایسا وقت آئے گا کہ اُن کے نزدیک سُرخ خالص سونے سے زیادہ موت پسندیدہ ہوگی اور قریب ہے کہ لوگوں پر ایسا وقت آجائے کہ آدمی جب کسی مسلمان کی قبر کے پاس سے گزرے تو کہے کہ کاش میں اس قبر میں ہوتا۔

(طبقات ابن سعد ۴/ ۳۳۷، ۳۳۸ وسندہ صحیح)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وفات کا جب وقت آیا تو انھوں نے فرمایا:

مجھ (میری قبر) پر خیمہ نہ لگانا اور میرے ساتھ آگ لے کر نہ جانا اور مجھے (قبرستان کی طرف) جلدی لے کر جانا کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب نیک انسان یا مومن کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: مجھے (جلدی) آگے لے چلو اور کافر یا فاجر کو چارپائی پر رکھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے: ہائے میری تباہی مجھے کہاں لے کر جا رہے ہو؟ (مسند احمد ۲/ ۲۹۲ ح ۷۹۱۴ وسندہ حسن، طبقات ابن سعد ۴/ ۳۳۸)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب میں مر جاؤں تو مجھ پر نوحہ (آواز کے ساتھ ماتم) نہ کرنا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نوحہ نہیں کیا گیا۔ (تاریخ دمشق لابن عساکر ۷۱/ ۲۸۲ وسندہ حسن)

احسن الحدیث ﷽ فضل اکبر کاشمیری

منکرین کو تنبیہ

﴿ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۙ ثُمَّ کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ ۝ اَلَمۡ نَجۡعَلِ الۡاَرۡضَ مِهٰدًا ۙ وَّ الۡجِبَالَ اَوۡتَادًا ۙ وَّ خَلَقۡنٰکُمۡ اَزۡوَاجًا ۙ﴾

یقیناً یہ عنقریب جان لیں گے اور بالیقین انھیں بہت جلد معلوم ہو جائے گا، کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا اور ہم نے تمھیں جوڑا جوڑا پیدا کیا۔ [النبا:۴تا۸]

فقہ القرآن:

☆ ﴿کَلَّا سَیَعۡلَمُوۡنَ﴾ کا تکرار کثرتِ عذاب کے لئے ہے یا پہلی آیت میں دنیاوی عذاب کی طرف اشارہ ہے اور دوسری آیت میں اخروی عذاب کی طرف۔

☆ مذکورہ آیت سے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں کے اظہار کے طور پر دس انعامات بیان کیے ہیں۔

☆ اللہ کی قدرت کی نشانیوں میں سے زمین کا گھوارہ ہونا سرفہرست ہے۔ جس طرح بچے کے لئے گھوارہ آرام اور سکون کا سبب ہوتا ہے، اسی طرح انسان کے لئے زمین راحت اور اطمینان کا سبب ہے۔

☆ اللہ کی قدرت کی دوسری نشانی پہاڑوں کی تنصیب ہے زمین جب پیدا کی گئی تو ابتداءً لرزتی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اس پر پہاڑ میخوں کی طرح گاڑ دیئے تاکہ ہچکولے نہ کھائے۔

☆ تیسری نشانی مرد و زن کی تخلیق ہے۔

مفسر واحدی کہتے ہیں: ﴿اَزۡوَاجًا﴾ ''ذکراناً و أناثاً'' مرد اور عورتیں۔ (الوسیط ۴/۴۱۲)

☆ کفار اور مشرکین مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کئے جانے کا انکار کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے درج بالا دلائل بیان کر کے اُن کی تردید فرمادی۔

کلیم حسین شاہ

مولانا عبدالقادر حصاروی رحمہ اللہ

نام ونسب: عبدالقادر بن مولوی ادریس بن حکیم مستقیم حصاروی

ولادت: موضع گنگا، تحصیل سرسہ، ضلع حصار میں پیدا ہوئے۔ (تاریخ پیدائش نامعلوم)

اساتذہ: مولانا عبدالرحیم غزنوی، مولانا یحییٰ غزنوی، مولانا زکریا غزنوی، مولانا عبدالاعلیٰ غزنوی، مولانا عطاء اللہ لکھوی، مولانا جرجیس (آخرالذکر مولانا حصاروی رحمہ اللہ کے چچا تھے۔)

تدریس: تعلیم سے فراغت کے بعد اپنے گاؤں موضع گنگا میں اپنے والد کی قائم کردہ درس گاہ میں تدریس کا کام سرانجام دیتے رہے۔ (خود ان کے والد ایک عالمِ دین تھے) پھر مختلف مقامات پر درس وتدریس کا کام کرتے رہے۔

تصانیف: شرعی داڑھی، قبروں پر اذان کہنا منع ہے، کتاب الاذان، سیاحۃ الجنان بمناکحۃ اہل الایمان، تکفیر بے نمازاں، ترجمہ حیاۃ الحیوان (دمیری)، اصلی اہل سنت کی پہچان، احتیاطی جمعہ، ضرب الفأس علی مانع کشف الرأس، حیات فی اداء الزکوۃ۔ تائید مابعد الرکوع۔

علمی مقام: مولانا ممدوح ایک کامیاب مصنف، محقق، عالم دین، بلند پایہ خطیب اور مناظر ومفتی تھے۔ اپنی زندگی میں دین کی بہت خدمت کی اور اہلِ حدیث رسائل میں بیش بہا فتاویٰ لکھے جو اُن کی علمی قابلیت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آپ کامیاب مناظر بھی تھے۔

توثیق: مولانا ابراہیم کمیرپوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''آپ ایک نامور مصنف، مایۂ ناز مبلغ، قابل فخر محقق اور شہرۂ آفاق مفتی تھے''۔ (ہفت روزہ اہلحدیث لاہور ۲/اکتوبر ۱۹۸۱ء)

مولانا محمد حسین آزاد فرماتے ہیں: ''آپ پاکستان کے ابن تیمیہ تھے۔'' (اہل حدیث ۳۰/اکتوبر ۱۹۸۱ء)

وفات: آپ ۲ ذوالقعدہ ۱۴۰۱ھ بمطابق ۱۹ ستمبر ۱۹۸۱ء کو فوت ہوئے۔

اولاد: آپ کے چار بیٹے تھے اور بیٹیوں کا صحیح علم نہیں ہوسکا لیکن آپ کے نواسے پروفیسر عبدالرؤف ظفر ڈائریکٹر سیرت چیئر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور معروف ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھیں: (۱) تذکرہ عارف حصاروی رحمہ اللہ: مولانا عبداللہ سلیم (۲) کاروان سلف: محمد اسحاق بھٹی